



بھارتیہ دوہری مشہور

مدن گوپاں



ہندستانی
ادب کے

بھاڑتیندو ہریش چندر

ہندوستانی ادب کے معمار

بھارتیتار و ہریش چندر

مصنف

مدن گوپال

مترجم

ڈاکٹر مظفر حنفی



سماہنگیہ اکادمی

© ساہتیہ اکادمی

پہلا اڈیشن : ۱۹۸۳

ساہتیہ اکادمی

ہید آفس :

رویندر بھون، ۳۵ - فیرز شاہ روڈ - نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر :

بلاک ۷-بی، رویندر سرور اسٹیڈیم - کلکتہ ۷۰۰۲۹
۱۸۲، ممبئی مراٹھی گرتخت سنگھرالیہ مارگ، دادر، بمبئی ۴۱۰۰۳۱
۲۹، ایلڈ اسوس روڈ، تینا م پیٹھ، مدرس ۴۰۰۱۸

قیمت : چار روپے

طبع : دمل آفیٹ پنجشیل گارڈن نوین شاہدرہ دہلی ۳۲

دیباچہ

زیرِ نظر کتاب میں بھارتیندو ہریش چندر کی علمی و ادبی خدمات کا عمومی جائزہ اس نقطہ نظر کے تحت پیش کیا گیا ہے کہ تحقیقی و تنقیدی موشگافیوں سے دلچسپی نہ رکھنے والے عام قاری کو ان کے مجموعی کارناموں اور ادبی قامت کا اندازہ ہو جائے۔ ہندی کے تینیں بھارتیندو کی وسیع خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اس ضمن میں ان کی چیثیت اردو کے سر سید احمد خاں کی طرح پہلو دار، ہمہ گیر اور متاثر کن تھی۔ بھارتیندو کے زمانے میں جدید ہندی ادب کی وہ شکل جسے کھڑی بولی کا نام دیا جاتا ہے اتنی نو عمر تھی کہ اسے دہائیوں میں شمار کیا جاسکتا تھا ہندی ادب کے اس نو خیز اسلوب کو اگر اوائل عمر ہی میں بھارتیندو ہریش چندر جیسی لگن رکھنے والا خدمت گزار نہ مل گیا ہوتا تو ایسی تیز رفتار سے اس کی ترقی و تزویج کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بھارتیندو نے اس زبان میں شاعری، ناول، ڈرامے، تنقیدی اور معلوماتی مضامین کے اوّلیں نمو نے پیش کیے، علمی اور ادبی رسائل کی داغ بیل ڈالی، دوسری زبانوں کے تراجم سے کھڑی بولی کے ذخیرہ ادب کو وسیع کیا اور زبان کی صفائی اور تراش خراش میں حصہ لیا ان کی ان خدمات کا عام طور پر اعتراف کیا جاتا ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کا کارنامہ یہ ہے کہ سر سید احمد خاں کی طرح انھوں نے اپنے معاصرین کو بھی متاثر کیا اور کھڑی بولی میں ادب تخلیق کرنے والوں کی ایک بڑی نسل ان کے زیر اثر سامنے آئی جس نے

اس بولی کو ادبی زبان کی حیثیت سے مستحکم کرنے میں بڑا ہم کردار ادا کیا ہے۔ بلاشبہ بھارتیند و ہریش چندر ہندی کے ارتقائی سفر میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سرکاری اعزازات اور خطابات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی ہریش چندر کے ہم عصر راجا شیو پر ساد، ستارہ ہند کے خطاب سے نوازے گئے تو ہریش چندر کے پرستاروں نے انگریزی حکومت سے ان کے لیے بھی ایسے ہی کسی خطاب کی توقع کی اور ناکامی کی صورت میں عوامی اور ادبی حلقوں کی طرف سے ہریش چندر کو بھارتیند (ماہتاب ہند) کا خطاب عطا کیا گیا۔ شیو پر ساد کھڑی بولی میں خالص فارسی الفاظ کے بکثرت استعمال کو مفید جانتے تھے، معاصرانہ چشمک کے تحت ہریش چندر نے زبان کی صفائی کا بیڑہ اٹھایا حتیٰ کہ ہندی سے زے، قاف اور غین جیسی ٹقیل فارسی اور عربی اصوات کو خارج کر دینے کا مشورہ دیا اس وجہ سے اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ ہریش چندر اردو کے مخالف تھے لیکن حقیقت اس کے بر عکس ہے۔ ہندی کے ساتھ ساتھ بھارتیند نہ صرف اردو بلکہ فارسی میں بھی نظم و نثر لکھا کرتے تھے اور اپنے دور کے معروف اردو ادیب کی حیثیت سے بھی پہچانے جاتے تھے۔ ۱۸۷۲ء میں انہوں نے ایک اردو ہفت روزہ اخبار "قادی" کی اشاعت کی مکمل تیاریاں کر لی تھیں اور اس کی اشاعت کا اعلان بھی کر دیا تھا لیکن قارئین کی سرد مہری نے ان کا حوصلہ پست کر دیا اور یہ اخبار منظر عام پر نہ آسکا۔ اپنے دور کے کئی اردو ادیبوں اور شاعروں سے ان کے قریبی رو ابطر ہے۔ ان کے قریبی دوستوں میں امیس اور وزیر جیسے اکابرین اردو کے نام شامل ہیں۔ بھارتیند و ہریش چندر کی اردو تخلیقات نثر و نظم کو مرتب کر دیا جائے تو کم و بیش سو صفحات سے زائد کا مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ اردو میں وہ رسمًا تخلص کرتے تھے اور معیاری غزلیں

کہنے پر قادر تھے۔ انہوں نے اردو شاعری کے دو انتخابات "گلستان پر بہار" اور "چمنستان پر بہار" بھی مرتب کیے جو اس عہد کے اردو حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اس طرح اردو میں ان کے اعلا ادبی ذوق کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بیکم بھوپال (جن کا تخلص "روپ رتن" تھا) کی متعدد غزلیں انہوں نے نہ صرف مرتب کردہ انتخابات میں شائع کیں بلکہ "بھارت متر" (کلکتہ) میں بھی انہیں اپنے توصیفی نوٹ کے ساتھ شائع کرایا۔ اردو میں ان کے کئی نشری مظاہر موجود ہیں جن میں "پنجاون پیغمبر" اور "خوشی" جیسے معیاری ادب پارے شامل ہیں "قانون تعریفاتِ شوہر" فارسی آمیز اردو میں ان کا مزاجیہ مضمون بھی خاصی لمحپسی کا حامل ہے اور اس کا اختتام انہیں کے ایک فارسی شعر پر ہوا ہے۔ ان تمام امور کی روشنی میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ بھارتیند و ہریش چندر ایک روشن خیال اور محب وطن ہندوستانی تھے اور اردو کے لیے ان کے دل میں ویسی ہی محبت جاگزیں تھیں جیسی کہ ہندی کے لیے یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اپنے میدانِ عمل کے طور پر ہندی کا انتخاب کیا، جس کے وہ بجا طور پر ایک عظیم معمار سمجھے جاتے ہیں۔

منظفر حنفی

۱۹۸۷ء، جنوری

شعبیہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ

دنی دہلی ۲۵

ایک

انیسویں صدی نے ہندوستان میں عظیم مفکروں کی ایک عالیشان جماعت کو حجم دیا۔ بھارتیں وہ ہریش چندر اس جماعت کی ذہین ترین اور ہمہ گیر و ہمہ جہت شخصیتوں میں سے ہیں ایک سماجی مصلح ہونے کے علاوہ وہ ذہنی اور فکری دانش و رانہ افق کو وسعت بخششے والے تمام اقدامات کے حامی اور مجاہد تھے۔ انہوں نے ایشور چندر و دیا ساگر، ہر ہائی لس پرنس کیرالہ و رام آف ٹراونکور، کیشپ چندر سین اور مدھوسدن دت جیسے اس عہد کے ہندوستانی مشاہیر سے دوستی کی۔ ہریش چندر نے ہندی کو ان نے تقابلیت سے روشناس کیا جو بنگال میں نشاۃ ثانیہ کے محرك ہوئے تھے۔ اس ارتقا اور مقبولیت کے کام میں جس کے تحت آج کی ہندی وجود میں آئی اور ہندی ادب کی مختلف اصناف کو مالا مال کرنے میں ان کے کارنامے اتنے بنیادی اور اہم تصور کیے جاتے ہیں کہ اکثر ہریش چندر کو جدید ہندی کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔

مسلمہ طور پر انہیں ہندی کا ممتاز ترین ڈرامہ نویس سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے تقریباً ڈیڑھ درجہ طبع زاد اور سنکرت، بنگالی نیز انگریزی سے ماخوذ ڈرامے قلم بند کیے۔ ہریش چندر نے ابتدائی ہندی صحافت کے ارتقائی میں بھی ایسا ہی اہم کردار ادا کیا وہ ہندی کے اویں قابل ذکر انسانیہ نگار، سفرنامہ نویس اور خاکہ نگار تھے۔ انہوں نے تاریخ اور نوادر پر بھی قلم اٹھایا۔ شاعری میں قیمتی اضافے کے علاوہ

بھارتیہ دہریش چندر

انھوں نے کم و بیش تین ہزار بھگتی گیت سمجھی مردّج بحروں میں لکھے ہیں۔ وہ غالباً ہندی کے پہلے شاعر ہیں جس نے اپنے فن کا انہمار کھڑی بولی میں کیا جس نے بعد ازاں برج بھاشنا کا وجود ہی ختم کر دیا۔)

اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ ہندی کے کئی قلم کاروں کو ناول نگاری کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مقام تعجب نہیں کہ ہندوستانی زبانوں کی تاریخ ادب کے اولیں غیر ملکی مورّخ جارج گریسن نے انھیں ہندوستانی بولیوں کے اپنے زمانے کے اہم ترین شاعر کی حیثیت سے یاد کیا اور کہا کہ انھوں نے ہندوستانی بولیوں کے ادب کو مقبول بنانے میں کسی دوسرے ہم عصر ہندوستانی کے مقابلے میں کہیں زیادہ حصہ لیا۔ ہندی ادب کے دوسرے مورّخ، ایف۔ ای۔ کے کا قول ہے کہ ہرش چندر نے سب ملا کر ۵۰ اکتابیں تصنیف کیں (کے نے لگ بھگ ۸۳۷ تصنیف کا ذکر نہیں کیا، محض چوتیس ۳۷ برس کی عمر میں اتنا ممتاز مقام حاصل کر لینا اور مختلف میدانوں میں نئی را ہیں دکھا جانا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ہریش چندر بنارس کے اگر والگھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے پردادا، سیٹھ فتح چند، سیٹھ امین چند کے نوبیوں میں سے ایک تھے۔ یہ وہی امین چند ہیں جنھیں اپنے شرکیہ میر جعفر کے ہمراہ (لارڈ) کلائیو کی دنیابازی کا شکار ہونا پڑا تھا۔ اس صدمے سے ان کا ذہنی توازن بگرگیا اور تھوڑی ہی مدت میں وہ موت کے منہ میں پہنچ گئے۔ ان کے بیٹے سیٹھ فتح چند بنارس منتقل ہو گئے اور بعد ازاں ان کے آٹھ بھائیوں میں سے ایک اور بھی وہیں جا بے۔ ان دونوں بھائیوں نے خاندان کو پھر سے خوش حال بنایا اور بنارس کے دوسرے دولت مند گھرانوں میں شادیاں کر کے اس میں اپنی حیثیت مستحکم کر لی۔ جلد ہی ان کا مشترک خاندان مہاراجہ بنارس کا ہباجن بن گیا۔

سیٹھ فتح چندر کے پوتے، گوپال چندر معاملہ فہم تاجر تھے ان میں تا جرانہ مہارت کے ساتھ شاعرانہ ذکاوت بھی پائی جاتی تھی انہوں نے، گردھر داس، کے قلمی نام سے تقریباً چالیس تخلیقات پیش کیں۔ ان میں سے بیشتر تخلیقات ولیشنومت کی تعلیمات کے متعلق ہیں جس پر کہ ان کا گھرانہ معتقد تھا۔

گوپال چندر کی ذہین اور دل کش شخصیت نے ہندوستان کے مقدس شہر (بنارس) میں بڑی نمایاں حیثیت حاصل کی۔ ان کے باغیچے کے پھولوں کو یرطانوی سرپرستی کے تحت متعقدہ نائشوں میں انعامات ملے۔ گنگاندی پر سالانہ بڑھوامنگل (تیراکی)

میلے میں گوپاں چندر کا گھرانہ گہری دل بستگی رکھتا تھا اس موقع پر تقریباً پورے شہر کی آبادی تیوہار منانے کے لیے ایک ہفتے کے واسطے دریا کے کنارے کھنخ آتی تھی جہاں آرائش کشتیوں پر شہر کی مشہور ترین ناچنے والیاں ناچتی گاتی تھیں۔ ہمارا جہ بنارس نہ صرف اس تقریب کو رونق سختے تھے بلکہ اس میں عملی حصہ بھی لیتے تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک سے زیادہ بار کہا کہ سیوط فتح چند کے گھرانے کی حیثیت تیراکی کے میلے میں ولی، ہی تھی جیسی کسی برات میں دو لہاکی ہوتی ہے۔ یہ واقعی درست بھی ہو گا کیونکہ اس تقریب میں شرکت کے دعوت نامے اسی رسمی انداز میں تقسیم کیے جاتے تھے جیسے کہ شادی کے دعوت نامے نامی کے ذریعے گھر گھر تقسیم ہوتے تھے اور ہر ایسے ہمان سے یہ موقع کی جاتی تھی کہ گلابی پچھڑی اور اسی رنگ کا پٹکا زیب تن کر کے شرکیں ہو اور اگر کچھ مدعوین مطلوبہ رنگ کے صافے اور پٹکے کا بند و بستہ کر پاتے تھے تو میزبان یعنی گوپاں چندر کا گھرانا بخوبی یہ چیزیں فراہم کرتا تھا۔ چونکہ وہ صاحب حیثیت لگ تھے۔

گوپاں چندر کے گھرانے کی سر پرستی کا دائرہ ادیبوں اور فنکاروں تک پھیلا ہوا تھا۔ کوئی بھی حیلہ اس کے لیے کافی تھا اکثر لوگوں کو مدعو کرنے کے موقع تلاش کر لیے جاتے۔ بستت کے موقع پر میزبان اور ہمان سب زرد کپڑے زیب تن کرتے ہوئی میں رنگ کھیلا جاتا اور جی کھول کر خوشیاں منائی جاتیں۔ وہ دن کیسی شان و شوکت کے دن تھے ہندوستان میں زندگی کی رفتار آہستہ مگر باوقار تھی۔ گوپاں چندر جیسے مہذب اور متمول گھر انوں سے سماجی طور طریقے متعین ہوتے تھے۔

گوپاں چندر گردھر داس کے دو میٹے تھے۔ ہریش چندر جو ستمبر ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور گوکل چندر جوان سے پندرہ ماہ بعد پیدا ہوئے تھے۔ آنے والے برسوں میں آخر الذکر نے اپنے خاندانی کار و بار کو فروع دیا اور اول الذکر کے لیے

ایپنی جیرت خیز توانائی سے تخلیقی قوت کو اشتغال دے کر ہندی زبان و ادب کے فروع کو نئی سمیت دینا مقدر تھا۔

ہریش چندر کے زمانہ ولادت ۱۸۵۶ کے آس پاس کا بنا رہا سکونت کے لیے ایک نہایت دلچسپ بستی رہا ہوا گا۔ ہندوؤں کی اہم ترین زیارت گاہ ہونے کی حیثیت سے نہ صرف ہندوستان کے تمام علاقوں سے نجات کے متممیٰ زائرین یہاں کھنچے چلے آتے تھے بلکہ خریداروں کے متلاشی سوداگر فریبی و دھوکے باز اندازوں کو پہنانے والے نیم حکیم اور کرتب باز بھی یہاں آتے تھے۔ ہر قسم کے پچھلگاؤ اور خوشاندی بھی دلی کے مغل دربار اور لکھنؤ کے نوابین اور دھدر بار سے اس دور میں بنا رہا پہنچتے تھے۔ ایک طرف یہ شہر باصلاحیت فنکاروں کا سہارا سمجھا تو دوسری طرف گنوان اور دھرم گیانی پنڈتوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ نہ صرف ہمارا جہ بنا رہا جو اپنی جگہ فنونِ لطیفہ کے بڑے سرپرست تھے بلکہ شہر کے کچھ دوسرے دولت منڈ گھرانے بھی بھی فنکاروں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے خواہ وہ شاعر ہوں یا موسیقار، رقصاء ہوں یا طوائفیں۔ بنا رہا کی زندگی ان حالات سے بے خبر نظر آتی تھی جو چند سو میل دور، کلکتہ میں رونما ہو رہے تھے جہاں راجہ رام موہن رائے نے برمہ سماج تحریک کی ابتداء کی تھی اور جو ہندوستان کی شہری زندگی کے روایتی نظام اخلاق و طرز تمدن کو بدلتے والے طوفانی خیالات کا مرکز تھی۔

۱۹۷۸ء میں لاڑڈ لہوزی کی آمد سے ایک دور کا خاتمه ہو گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے پنجاب پر قبضہ کر لیا اور اس طرح عظیم ہندوستانی سلطنت کی فتح کا عمل مکمل ہو گیا۔ کلکتہ سے آگرہ تک ایک ٹیلی گراف لائن کا بندوں بست کیا گیا۔ پہلی رلیوے لائن بچھانی جاری تھی اور کلکتہ سے دہلی جانے والی شاہراہ نئی، نئی کھلی تھی۔ دریائی نقل و حمل کا سلسہ شروع ہو رہا تھا۔ بمبئی، مدراس اور کلکتہ میں یونیورسٹیوں کا قیام ہونے ہی والا تھا، ہندو بیواؤں کے عقدِ ثانی کا قانون تیار ہو رہا تھا۔ عوام میں جارحانہ

مغرب پرستی عام ہو رہی تھی۔

اس سے ہر شخص متاثر تھا حتیٰ کہ گوپال چندر بھی ہریش چندر نے لکھا ہے "ہر چند کہ میرے والد نے انگریزی تعلیم حاصل نہ کی تھی، وہ اپنے دور کے مطالبات کی میشن میں کی صلاحیت رکھتے تھے۔ گووہ پکے نہ ہی اور ولیشنو طرزِ حیات کے ماننے والے تھے۔

لیکن وہ اتنے انہیا پسند بھی تھے کہ انہوں نے اصنام پرستی اور برٹ وغیرہ رکھنا بند کر دیا تھا۔ جب لیفینٹ گورنر تھا میسن کے دور میں بنارس میں پہلا گرس اسکول جاری ہوا تو میرے والد نے میری بہن کو اس اسکول میں داخل کرایا۔ اس زمانے میں یہ ایک بڑا جرأت مندانہ اقدام تھا کیونکہ بیشتر لوگ اسے برا سمجھتے تھے اور ہم سب کو بھی انہوں نے انگریزی تعلیم دلانی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ گوپال چندر کا گھر انہ اس حد تک وفادار تھا کہ جب ۱۸۵۷ء میں انگریزوں پر آفت نازل ہوئی تو بنارس میں برطانوی ایجنسٹ نے اپنا تمام قیمتی اثاثہ حفاظت کے لیے گوپال چندر کے گھر بھجوادیا اور گوپال چندر کو جواہر تیاریں آتشیں اسلحہ کے لائسنس دئے گئے تھے ان سے انگریز افسران کی حفاظت کا کام ہی لیا گیا ہو گا۔ مقامِ حیرت نہیں ہے کہ گوپال چندر کا گھر انہ انگریزوں کو بھی اتنا ہی سچوں تھا جتنا کہ ہمارا جسہ بنارس کو۔

تین

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے سات سال قبل جنم لینے والے ہریش چندر غیر معمولی طور پر ذہین تھے وہ شریر تھے اور اپنے پڑوسیوں کے لیے خاصی پریشانی کا سبب تھے۔ جن میں سے چند کو وہ دیوار پر فاسفورس سے ہند سے لکھ کر رات کو خوفزدہ کر دیتے تھے اس دور کے متمول خاندانوں میں عام رواج کے مطابق ہریش چندر کو اردو اور فارسی سکھانے والے مکتب میں داخل کیا گیا ان کی انگریزی تعلیم کا بھی بندوبست کیا گیا۔ ان کے انگریزی کے اساتذہ میں راجہ شیو پر ساد، ستارہ ہند، اور نند کشور شامل تھے جن کا بعد ازاں انگلستان میں انتقال ہوا۔ سبھی شواہد بتاتے ہیں کہ ہریش چندر کا حافظہ پچھن میں غیر معمولی تھا۔

ہریش چندر کو اپنے باپ کی طرف سے ادبی صلاحیتیں بھی ورثے میں ملی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ نہ صرف برج بھاشا کے اشعار کی تشریح کر لیتے تھے بلکہ اس زبان میں خود بھی کچھ شعر کہہ لیتے تھے۔ دراصل اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے "رس،" (جمالیاتی محسن کے عناصر) کی نئی درجہ بندی کی اور ان کے ہم عصر مہریں فن نے ان سے اتفاق کیا۔

لوگ اس زمانے میں شادیاں کم عمری، بہت ہی کم عمری میں کرتے تھے۔ مرتے بھی جلد تھے۔ ہریش چندر کے آبا و اجداد میں سے بلیٹر کی شادی دس یا باہر س کی عمر میں ہو گئی

تھی۔ گوپال چندر کے ساتھ بھی بھی ہوا اور حسبِ دستور ان کی پہلی بیوی ہریش چندر کی ماں، کم سنی میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔ اس وقت ہریش چندر کی عمر پانچ برس کی تھی اور گوکل چندر سارا ہے تین سال کے تھے۔

گوپال چندر نے دوسری شادی کر لی اور اس کے کچھ ہی دنوں بعد انہوں نے اپنے دنوں بیٹوں کی بڑی دھوم دھام سے جینوں سنسکار کی تقریب منعقد کی۔ بد قسمتی سے بھنگ کے عادی گوپال چندر کا ۲۷ برس کی عمر میں زیادہ بھنگ پی جانے کی وجہ سے تقریبیات کے دوران ہی انتقال ہو گیا۔ ہریش چندر لکھتے ہیں:-

”میں اب بھی اپنے تصور کی آنکھ سے اپنے والد کو فتنہ کھینچے روزانہ بیٹھے گاؤ تکے سے ٹیک لگائے دیکھ سکتا ہوں ان کے چہرے پر سماں دی نور
برس رہا تھا۔ وہ کسی طرح بھی بیمار نظر نہیں آتے تھے... مجھے اور میرے بھائی کو بجھا دیکھ کر وہ اچانک بول اٹھے ”شستیلانے باغ موڑ دی ہے؛
اچھا اب لے جاؤ۔“

پچھے بہت کم سن تھے۔ ان کی سوتیلی ماں موہن بی بی بھی کم عمر تھیں، چنانچہ خاندانی معاملات کی نگہداشت کا کام ایک پختہ عمر رشتہ دار نے سنبھال لیا۔

ہریش چندر، جنہیں کوئی نہ کالج میں داخل کر دیا گیا تھا، تلوں مزاج تھے۔ وہ قاعدے قانون کی زندگی بسر کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ گوپال چندر کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو پابندیوں سے آزاد محسوس کیا۔ سوتیلی ماں اور دوسرے سے انھیں محبت بہت کم ملی ان کی فضول خرچیوں پر تاک بھوں چڑھائی گئی۔ درحقیقت سوتیلی ماں کی روایتی زیادتیاں ان کے ساتھ روا رکھی گئیں اور ان کے ان چھوٹے چھوٹے و مدد کا پاس بھی نہیں کیا گیا جو وہ تیرا کی میلے کے موقع پر لوگوں سے کرتے تھے۔ چنانچہ ہریش چندر قرض لینے لگے اور ان قرضوں کے لیے انھیں آگے چل کر بہت

بڑی رقمیں ادا کرنی پڑیں لہذا وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے۔

۱۱ سال بھی کی عمر میں ہریش چندر کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوا وہ شادی کے بندھن میں جکڑ دیے گئے۔ شادی یقیناً کم سنبھالیں گے لیکن ان کے والد، دادا اور پردازا کی شادیاں بھی تو کم سنبھالیں گے۔

ہریش چندر نے اسکول اچانک چھوڑ دیا پھر بھی شادی نان میں قدرے نیا احساس
ذمہ داری پیدا کر دیا۔

کچھ ہی عرصے بعد وہ جگن ناتھ پوری کی تیر تھیا تراپر گئے اس سفر سے ان پر
نئی راہیں کھلیں اور ان میں سیاحت کا شوق بیدار ہو گیا اور بعد کے برسوں میں تم انھیں
اکثر سفر کرتے ہوئے پاتے ہیں۔

اور اس کے کچھ دنوں بعد انھیں تعلیم کی اہمیت کا احساس ہوا اور یہ احساس
اتنا شدید تھا کہ انھوں نے اپنے بی گھر میں ایک اسکول کھول دیا یہ اسکول غریبوں
کے لیے تھا۔ اس اسکول میں تعلیم پانے والے بچوں کو کتابیں اور کاپیاں مفت
ملتی تھیں اور ظاہر ہے کہ ان سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔

چار

ہریش چندر کی قدرے ذمہ داری کے ساتھ خاندانی معاملات کی سربراہی میں دلچسپی لینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں کھلے ہاتھوں خرچ کرنے کی آزادی مل گئی اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بے سوچ سمجھے پسیہ لٹانے لگے۔

ہریش چندر نے اپنی نفاست پسندی پر خوب روپیہ صرف کیا وہ عطریات، شاندار لباس اور فتیتی ریشم کے دلدادہ تھے جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، عطر فروش جنھیں مغل دربار اور لکھنؤ کے نوابین اور دہر کی سرپرستی حاصل نہ رہی تھی، ہریش چندر جیسے رئیسوں کو گھیرے رہتے تھے اور وہ کبھی ان کے گھر سے خالی ہاتھ واپس نہیں جاتے تھے۔ ہم عصر شہزادوں کے مطابق وہ عطر اتنی وافر مقدار میں خرید لیتے تھے کہ اس کا بے جا استعمال ہوتا تھا۔ پاؤں کا قوام خاصی بڑی مقدار میں درکار ہوتا تھا کیوں کہ ایک تھیمنے کے مطابق ان کے پان کا روز آنہ صرف کئی سو تک پہنچتا تھا۔ کوئی تعجب نہیں کہ ان کے دوست کہتے تھے کہ جو عطر قوام اور خوبیوں میں وہ استعمال کرتے تھے اتنے زیادہ خوبصوردار ہوتے تھے جیسے ابھی کشید کیے گئے ہوں۔ وہ شہزادوں کی طرح خلعتیں عطا کرتے تھے اور ان کے لطف و عنایات ان تمام لوگوں کے لیے عام تھیں جو ان کے ذوقِ جمال کو تسلیم پہنچاتے تھے خواہ وہ عطر فروش ہوں، ریشم کے سوداگر ہوں یا آرٹسٹ۔

مختلف جگہوں کے لوگ ان کے کتب خانے کے لیے نادر تضاد ویر، الہم، قدیم کتابیں

اور مخطوطات فروخت کرنے کو لاتے تھے یہ کتب خانہ ہریش چندر کے والد نے اپنے بیٹوں کو ورثے میں چھوڑا تھا۔ ہریش چندر ان نوادر کے لیے بیش بہار قوم اداکرتے۔ ان کی اس دریادلی سے اور کچھ نہیں تو خاندان کی قدیم روایات اور فنونِ طیفہ کی قدر دانی سے متعلق اس کی شہرت میں اضافہ ہوتا تھا۔ بنارس وارد ہونے والے تمام اہم ہندوستانی اور غیر ملکی افراد ہریش چندر سے ملاقات کو آتے اور خاندان کی سماجی چنیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ ان کی بڑھ پڑھ کر تواضع کرتے تھے۔

ہر نئی چیزان کے تجسس میں اضافہ کرتی تھی۔ وہ گھریوں کے شوقيں تھے تھوک میں گھریاں خریدتے اور اپنے دوستوں اور معمولی ملاقاً تیوں تک کو تھفے میں پیش کرتے۔ فوٹو گرافی بھی ان دنوں ہندوستان کے لیے نئی چیز تھی ہریش چندر نے متعدد فوٹو گرافر کو آزادانہ کاروبار کرنے میں مدد می اسی طرح ہو میو پیتھی بھی ایک نیا علم تھا ہریش چندر کو اس میں دلچسپی پیدا ہوئی اور انہوں نے ایک خیراتی دو اخانہ کھول دیا اور تقریباً ایک سو میس روپیہ ماہانہ اس شوق پر صرف کرتے رہے۔

لیتھو طباعت حال ہی میں بنارس میں رائج ہوئی تھی چنانچہ ہریش چندر نے اپنے والد کی کتابیں لیتھو سے شائع کیں۔ انہوں نے اہم شاعروں کی تخلیقات کا ایک مجموعہ بھی ”سندری تملک“ کے عنوان سے شائع کیا۔ چھاپہ خانہ بھی بنارس کیلئے ایک نئی چیز تھا وہ بجا طور پر اس سے متاثر ہوئے اور اجہاب کو روپے دے کر چھاپے خانہ قائم کرنے کی ترغیب دی۔ ہر نیافن ان کی سرپستی حاصل کر سکتا تھا۔ کسی لغت کی تیاری ہوکشی کے دنگل کا ابتدام ہو یا جادو کے کارناموں کا مظاہرہ۔ اگر کوئی ضرورتمند یا پریشان حال فرد ان سے سوال ہوتا تو وہ اپنی جیب یا جسم پر موجود ہر چیزا سے بخش دیتے تھے جن میں انگوٹھیاں اور جواہرات بھی شامل ہوتے تھے۔ ایک بار انہوں نے سردی میں بٹھر تے ہوئے فقیر کو اپنی قیمتی شال بخش دی۔ ایک حاجتمند

برسمہن نے دستِ سوال دراز کیا تو اپنی ہیرے کی انگوٹھی اس کی نذر کر دی۔ ایک شخص کو جس کے بیٹے نے ہریش چندر کا سونے کا ڈبہ پسند کیا تھا وہ ڈبہ ہی بھینٹ کر دیا گیا۔

اس خوب رو نوجوان کے گرد و پیش، جس کے پاس دولت کی کمی نہ تھی، قدرتی طور پر مفت خوروں، خوشنامدیوں اور خود غرضوں کا مجمع لگ گیا جو خیراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی کمزوریوں سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔

اپنے مضمون اور غالباً ہندی کے اولین خود نوشت انشائی میں جو اس نوجوان فنکار کی اپنی قلمی تصویر ہے، ہریش چندر نے ان حواریوں کا دلچسپ انداز میں تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ہی اس دور کی جھلک بھی دکھائی ہے جس میں وہ زندگی بس کر رہے تھے۔

”میں کھڑکی کے قریب بیٹھا بہار اور بادِ نیسم سے لطف اندوڑ ہو رہا تھا۔

دھندر کا بڑھ چلا تھا ایک طرف سورج تھا اور دوسری طرف چاند۔ دونوں میں سرخی کی جھلک تھی۔ یہ سب کچھ کیسا جیرت انگیز تھا۔

گندمیریاں، کسیر و اور پھول بیچنے والے سڑک پر سے آواز لگاتے ہوئے گزرتے میں زمانے کے نشیب و فراز سے نا آشنا اپنے جوانی کے خوابوں میں محو، محبت اور رومان کے کیف میں منمور رہتا۔ ہر چند کہ میں کم عمر تھا لیکن حقیقی محبت کو پہچانتا تھا حالانکہ مفت خورے، خوشنامدی اور مفاد پرست میری قصیدہ خوانی کرتے رہتے۔ کوئی کہتا دنیا بھر میں کوئی آپ سا خوب و نہیں، کوئی کہتا میں نے علم و فضل میں آپ کا ثانی نہیں دیکھا۔ ایک مطلع کرتا کہ چینی جان تو آپ پر اس طرح فدا ہے کہ آپ کو دیکھے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی اور دوسرا گرہ لگاتا و اللہ کیا نظم کہی ہے آپ نے، ہم اتنے متاثر ہوئے کہ رات بھرا شکبار رہے ایک اور فی الفور اضافہ کرتا، جب پیاری نے آپ کی فلاں فلاں غزل گائی تو سعین

ہنسنے لگے اور ہنسنے منستے سب کے پیٹ میں بل پڑ گئے، کوئی اور کہتا۔ آفریں ہے آپ پر، آپ واقعی کمال کے آدمی ہیں۔ کسی کا دل اس طرح قبضے میں کر لینا بہت دشوار ہے چوتھا کہتا یہ آپ کی انگوٹھی میں کون سانگینہ جڑا ہے ہیرا ہے یا تازہ اوس کی بوند۔ میر صاحب جو پرندوں کے شائق تھے، موضوع تبدیل کرتے، آپ کے کبوتروں سے زیادہ عالی نسب کبوتر کسی کے پاس نہیں۔ واللہ کبوتر ہیں یا پریاں؟ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اگر ان کا سایہ بھی اساطیری ہما پر پڑ جائے تو وہ گدھ بن جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسے ہی خوبصورت جانوروں میں نصاریٰ کو خدا کی جھلک نظر آتی ہے۔ انھیں آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتے دیکھ کر کسی کی روح کیا پستی کا تصور بھی کر سکتی ہے؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ماہر بن مطیا بر ج نے بھی اتنے خوبصورت طائر نہیں دیکھے ہوں گے۔ اپنے عجیب ترین خواب میں بھی نہیں۔ کوئی اور چرب زبان پیش قدمی کرتا اور میرے گھوڑوں کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتا۔ جو ہری میرے چخروں کی توصیف کرتا اور براز میرے پائیچے کے پھولوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انکشاف کرتا کہ وہ بھگوان کو چڑھانے کے لیے یہی پھول چُن لے جاتا ہے ان تمام ڈاھیوں کا مرکز، میں سمجھتا تھا کہ میری ہی ذات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میری حقیر ذات ان تعریفوں اور توصیفوں کے انبار میں دفن ہو کر رہ جاتی تھی لیکن یہ سب کچھ جلد ہی ختم ہو جاتا۔۔۔ یہ تمام گفتگو میرے ڈرائیگ روم میں ہوتی تھی۔

اب ہمیں زینے پر آنا چاہئے۔ چار پانچ ہندو اور اتنے ہی مسلم مسلح پہریدار، ایک جمدادار، دو یا تین روزگار کے متلاشی اور بھک منگوں کی بھیڑ، کچھ بیٹھے ہوئے کچھ ایستادہ، سب پیسے کے طلب گار۔ بہر طور مجھے اعتراض کرنا چاہیے کہ ان میں سبھی مطلب کے یار نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ گنتی کے دو چار بھی سبھی واقعی میرے وفادار تھے جو ان کا آقا تھا۔ کوئی دلال سے تکرار کرتا، مجھے روپے میں دو آنے کا حصہ ملنا چاہیے

ورنہ ہم تمہارے ساتھ اس طرح پیش آئیں گے کہ نبی نبی جان کو اس دربار میں حاضری کا موقع ہی نہ مل سکے گا۔ دوسرا براز سے کہتا، اگر تم وہ سیاہ شال میری نذر نہ کرو گے تو تم یہاں برسوں اپنی ادائیگی کے لیے چکر کاٹتے رہو گے۔ تمہارے مطالبات تو کجا اس محل کی خاک کا ذرہ بھی تمہارے پلے نہیں پڑے گا۔

کوئی اور معاملہ فہم اپنے کمیشن کی شرائط مقرر کر رہا ہوتا تو کسی کو اس خیال سے بے پناہ مسرتِ نصیب ہوتی کہ اسے اپنے آقا کا اعتماد حاصل ہے ("جو بھی قرض حاصل کیا جاتا ہے وہ میری ہی معرفت ہوتا ہے")

دوسرا کہتا، تم مجھ سے منہ ملانے کی جرأت کیا کرو گے؟ تمام عورتوں کو ادائیگی میرے ذریعہ کی جاتی ہے:

ان تمام لوگوں میں (ہریش چندر کنایتہ کہتے ہیں) ایک بہر طور ایسا ہے جو دافعی آپ کے کام کا آدمی ہے۔ یہ جو ذات کا کرمی ہے، سیاہ فام، متوسط قامت، مضمبوط بازوں، بڑی بڑی موخچوں اور جھوٹی جھوٹی آنکھوں والا ایک شخص وہ کم سے کم کپڑے استعمال کرتا ہے۔ سرخ پکڑی، سبز پٹکا اور سفید شال اس کے جسم پر ہے۔ اس کا نام ہولی ہے آج کل وہ میراً معتمد ہے اسی لیے لوگ اسے مقصد برداری کا وسیلہ بناتے ہیں اور جو کچھ مجھ سے مانگنا ہوتا ہے اس کے وسیلے سے طلب کرتے ہیں۔

ہریش چندر کی اہلیہ، منودیوی کے بطن سے ان کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی دونوں بیٹے بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ بیٹی جوزندہ بیچ رہی تو دامِ المريض تھی کہا جاتا ہے کہ اس کا سر ایک طرف کو جھکا رہتا تھا۔ ہریش چندر کی ازدواجی زندگی خوشگوار قطعی نہ تھی ایک مشہور ہومیوپیٹھ ڈاکٹر، جو ہریش چندر کے گھر آتا جاتا تھا اور زنان خانے تک جس کی رسائی تھی، یہ خیال رکھتا تھا کہ منودیوی کی علاالت کی اصل وجہ افسردگی اور ملاں تھا۔ انھیں اپنے شوہر کی بے نیازی اور مزاجی عدم مناسبت کا خیال

اپنی گرفت میں لیے رہتا تھا۔

ہریش چندر سے اس نازک مسئلے پر گفتگو کرنے کی بجائے ڈاکٹر نے انہیں خط لکھنا زیادہ مناسب سمجھا اس خط (بنگالی میں) کی ہریش چندر نے نہ صرف رسیدھی بلکہ بنگالی میں ہی درسم خط دیوناگری) اس کا جواب لکھا اور کہا کہ واقعی وہ گھر میں رہ کر خوشی محسوس نہیں کرتے انہوں نے مزید کہا کہ کسی بھی حال میں وہ اپنی بیوی کو کسی طرح کی تکلیف نہیں پہنچاتے اور گھر میں جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے انہیں مہیا کی جاتی ہے لیکن انہیں اپنے دل پر زیادہ قابو نہیں اس لیے مجبور ہیں۔

۱۸۷۰ کے ابتدائی رسول کے بنارس میں متول گھرانے باغچوں سے آرائستہ مکانوں کی ملکیت اور کئی کئی پیشہ و رنا چنے گانے والیوں سے تعلق رکھنے پر فخر کیا کرتے تھے۔ ہریش چندر اس معاملے میں کیسے پیچھے رہتے وہ انتہا کو پہنچے اور راجہ اندر کی سی زندگی بسر کرتے رہے چونکہ یہ ایک مشترک خاندان تھا اس لیے اس میں ایسے لوگ موجود تھے جو ان کی اہلیہ اور دختر کی نہ گدشت کر لیتے تھے۔ ہریش چندر اپنی عشرت کا سامان یا ہر فراہم کر لیتے۔

ہریش چندر یا قاعدگی سے طائفوں کے بالاخانوں کا طواف کرتے تھے۔ اس پیشے کی ناچنے گانے والیاں اکثر ان کے باغات والے مکانوں میں آیا کرتی تھیں۔ اتفاقیہ آنے والیوں سے الگ ہٹ کر انہوں نے دوستقل داشتا میں بھی رکھ چھوڑی تھیں جنہوں نے ان کی ادبی زندگی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ پہلی علی جان تھی غالباً وہ گوکل چندر اور ہریش چندر کے مکان میں پہلی بار کسی قسم کا قرض حاصل کرنے کی غرض سے آئی تھی جس کے لیے بعد ازاں اس نے ایک مکان گوکل چندر کے نام منتقل کر دیا اور ہریش چندر سے ربط صبغت بڑھایا کسی وجہ سے اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور طوائف بن گئی تھی۔

ایسا لگتا ہے کہ ہریش چندر نے اسے دوبارہ ہندو کر لیا تھا اور اس کا نام مادھوی رکھ کر اپنی داشتہ کی حیثیت دی تھی۔ گوکل چندر کے نام مکان رہن رکھنے کی تاریخ اور اس وقت کی شرح سود کے مطابق حساب لگانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ہریش چندر اور گوکل چندر سے پہلی بار ۱۸۰۰ء کے آس پاس ملی ہو گئی اور عین ممکن ہے اسی ملاقات نے بڑھ کر گہرے تعلق کی صورت اختیار کر لی ہو اور پھر ہریش چندر نے اسے اپنی داشتہ بنایا ہو۔ ہریش چندر مادھوی کے ہی گھر پر دربار لگاتے اور اپنی رائیں بسر کرتے تھے وہاں انہوں نے ٹھاکر جی کی مورتی بھی استھاپت کی تھی اور ہاتھی دانت کی تصاویر نیز کئی دیگر آرائشی نوادر بھی رکھ چھوڑے تھے۔ (ہریش چندر کے انتقال پر گوکل چندر نے یہ سارا سامان اپنے قبضے میں کر لیا اور مادھوی کو دس روپے ماہانہ ادا کرنے لگے۔ گوکل چندر کے انتقال پر یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا)

چندر برسوں کے بعد ایک بنگالی بیوہ، ملکہ بھی ہریش چندر کی زندگی میں داخل ہو گئی۔ ملکہ میں، جس سے ہریش چندر کو گہری انسیت تھی، ادبی ذوق بھی تھا۔ وہ نظمیں لکھتی تھی اور اس نے بنگالی سے ہندی میں تین ناول بھی ترجمہ کیے وہ ہریش چندر کے ادبی کاموں میں معاونت کرتی تھی اور اس نے ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کیا جو انہی تصانیف شائع کرتا تھا۔ اپنی ایک کتاب کے پیش لفظ میں ملکہ نے لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب اپنے سوامی کی خواہش پر ترجمہ کی ہے اور اس کا انتساب بھی ہریش چندر کے ہی نام تھا۔ ہریش چندر اس کی تحریروں پر نظر ثانی کرتے اور ان کی اشاعت کا بندوبست کرتے۔

یہ ہریش چندر کی رنگین مزاجی ہی تھی جس کی وجہ سے پہلے پہل انہیں ”بھارتیند“ کا خطاب ملا۔ اس کے ساتھ ایک کہانی منسوب ہے۔ ایک بار جب انہوں نے اپنے کچھ سن رسیدہ دوستوں کا مذاق اڑایا تو ان کے ایک دوست نے احساس دلایا کہ

خود ان کا کردار بھی بے داع نہیں ہے۔ ساتھ ہی اس نے کہا کہ یہ داع ویسے ہی ہیں جیسے چاند کے داع۔ اس لیے وہ انھیں "بھارتیند و" کہے گا (ماہتاب ہند) ہریش چندر نے کہا انھیں اس پر قطعی اعتراض نہیں۔ اس طرح ان کے ایمار پر یہ ان کے نام کا جزو بن گیا اور ان کے اجابت میں چل نکلا۔ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے آخری برسوں میں، جب ہندی ادب کے مختلف میدانوں میں ان کی ذات ایک اہم ستون کی جیشیت رکھتی تھی، ہندی ادب کے سربراہوں نے چاہا کہ حکومت ان کی عزت افزائی کرے۔ جب حکومت نے ان کی خواہش کا احترام نہیں کیا تو ان کے یہ پرستار کبیدہ خاطر ہو گئے بطور خاص اس لیے کہ ان کے مدد مقابل راجاشیو پر اد "ستارہ ہند" حکمرانوں میں مسلسل مقبولیت حاصل کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کلکتہ کے "سرسودھنیدھی" کے مدیر نے یہ تحریک چلائی کہ اگر برطانوی حکومت انھیں کوئی اعزاز نہیں دیتی تو ہندی دنیا انھیں "بھارتیند و" (ماہتاب ہند) کے نام سے یاد کر کے نذرانہ عقیدت پیش کرے گی۔ یہ تجویز فی الفور قبول کر لی گئی اور اس کے بعد سے وہ خطاب جو ایک مذاق کے طور پر انھیں بخشنا گیا تھا باقاعدہ ان کے نام کا جزو بن گیا۔ حتیٰ کہ غیر ملکی مستشرقین جیسے جارج گریرسن اور گارسیا نے بھی انھیں اسی نام سے یاد کیا ہے۔ ہریش چندر بذات خود اس خطاب کو پسند کرتے تھے اور اپنے لیٹر پیڈ پر طلوع ہوتے ہوئے چاند کا مونو گرام چھپوا یا کرتے تھے۔

پانچ

ہریش چندر اپنے نام کے ساتھ "بھارتیندو" کے خطاب کی شمولیت پر نازکرتے تھے انھیں اپنے نام پر بھی ناز نہ تھا جو ایک ایسے مثالی راجہ سے ہمی منسوب تھا جو صدق شعاری میں کمال حاصل کرنے کے لیے شہر آفاق تھا۔ بھارتیندو نے بذات خود نہ صرف ایک راجہ کی طرح فیاض بننے کی کوشش کی بلکہ ہر قیمت پر حق گوئی اختیار کرنے کی سعی بھی کرتے رہے۔ ایک مشہور روایت کے مطابق سید احمد خاں (جنہوں نے آگے چل کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی) ترقی پا کر اسمال کاز کورٹ کے نجج کی بیشیت سے تبدیل ہو کر بنارس آگئے۔ ان مقدمات میں جو فیصلے کے لیے ان کے پہرہ ہوئے ایک مقدمہ کے مدعی نوجوان ہریش چندر بھی تھے یہ دعویٰ ایک ایسے سوداگر سے تین ہزار روپے کی وصولیابی کے لیے تھا جس نے مبینہ طور پر ہریش چندر سے ایک کشتی خریدی تھی اور کچھ نقدر قم بھی ادا کی تھی۔

چونکہ اس مقدمے کا مدعی دوسرے مقدمات میں پیش ہونے والوں کی پہنچت ممتاز اور وجیہ نظر آتا تھا اس لیے نجج سید احمد خاں نے انھیں علیحدہ بلا کر کرسی پیش کی؛ اب بتائیے، انہوں نے پوچھا، اس کشتی کی اصل قیمت کیا تھی جو سوداگر نے آپ کو پیش کی تھی؟، وہی جو میں نے پرمیسری نوٹ میں ظاہر کی ہے، نوجوان نے کہا۔" اور آپ نے اس سے کتنا نقدر قم حاصل کی؟۔۔۔ میں نے پرمیسری نوٹ

میں ظاہر کردہ پوری رقم وصول پائی گئی؛ جواب ملا۔

سید احمد خاں کچھ جیران ہوئے اور انہوں نے تیوری چڑھا کر کہا۔ شاید آپ بھول رہے ہیں با بو صاحب، انہوں نے مشورہ دیا، آپ باہر جائیے، نازہ ہوا کا کر دوبارہ آئیے اور مجھے حقیقت حال سے مطلع کیجئے،

نوجوان عدالت سے باہر نکل آیا ان کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور چند سورود پے ادا کر کے اس اذیت بخش معاهدہ سے نجات حاصل کر لیتی چاہیے۔ ہریش چندر نے یہ مشورے خاموشی سے سن لیے لیکن جب وہ عدالت میں لوٹ کر آئے تو نجح کے رو برو پھر وہی بیان دیا جو پہلے دے چکے تھے۔

سید احمد نے بادی النظر میں خیال کیا کہ شاید کم سن ریس معااملے کی نوعیت اور ان کے اشارے کو نہیں سمجھ سکا انہوں نے نوجوان سے پھر وہی بات کہی جو پہلے کہہ چکے تھے لیکن نوجوان نے دو ٹوک الفاظ میں کہا وہ اپنے دھرم اور صدق بیانی کو روپے کے لیے قربان نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا، تا جرنے مجھے پر و میسری نوٹ لکھنے کے لیے مجبور نہیں کیا تھا اور جب میں نے یہ رضا و رغبت اس کی شرائط کو تسلیم کیا تھا اور اس کے مطابق کو جائز مانا تھا تو اس وقت جب مجھے قرض کی ادائیگی کرنی ہے اپنے قول سے کیوں نکر جاؤں؟ نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میرا نام ہریش چندر ہے اور یہ نام سچ کی علامت ہے۔

اور ہندی مصنفین میں سے ایک قول ہے، سید احمد اتنے متاثر ہوئے کہ دوسرے مقدمات کی طرح انہوں نے شہادتیں نہیں طلب کیں بلکہ جو کچھ ہریش چندر نے بیان کیا اسی کو سچ تسلیم کر لیا۔ ہمیں باور آیا، سید احمد خاں نے کہا، کہ یہ شخص صداقت شوار ہے اس لیے اس قضیے میں ہم اس کا بیان سچ مانتے ہیں اور گواہوں پر اصرار

نہیں کرتے۔

یہ واحد مثال نہیں ہے۔ ہریش چندر نے ہمیشہ پنے قول کا پاس کیا اور اپنے بے تک قرضوں کی ادائیگی میں بڑی بڑی رقمیں پیش کرتے رہے۔

ہریش چندر کی شادی کے فوراً ہی بعد جب پورے خاندان نے جگناٹھ پوری کی تیرتھ یا تراپر جانے کا فیصلہ کیا تو گوپال چندر کے ایک دوست ان سے ملنے کے لیے آئے اور انھیں بطور قرض دواشر فیاں پیش کیں۔ ہریش چندر کا بیان ہے کہ انھیں اس رقم کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس دخیراندیش نے بڑھا چڑھ کر سوتیلی ماں کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے ہریش چندر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس غیر ضروری قرض کو قبول کر لیں اور احتیاط محفوظ ماتقدم کے طور پر اپنے پا کھیں کہ بوقت ضرورت کام آئے اس زمانے میں پیروںی سفر کا قلیل حصہ ہی ریل سے طے کیا جا سکتا تھا بقیہ سفر دوسرے ذرائع مثلاً بیل گاڑی سے طے ہوتا تھا اس طرح یہ ایک لمبا سفر تھا۔ راستے میں ان کی جیب میں محفوظ روپے نے انھیں پریشانی کے عالم میں بنارس واپسی کے لیے ورغلایا۔ اشرفیاں بھنائی گئیں، معاملہ عیاں ہو گیا اور ہریش چندر کو سمجھا۔ بجھا کر سفر جاری رکھنے پر آمادہ کیا گیا۔ اشرفیاں بھنائی جا چکی تھیں اس لیے خرچ ہو گئیں۔ ہریش چندر کہتے ہیں کہ آگے چل کر ان دواشر فیوں کے معاوضے میں تقریباً پندرہ ہزار روپے کا ایک مکان ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

پریشانی دراصل ہریش چندر کے قرض خواہوں کی جانب سے نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کی اپنی ذات کی پیدا کر دہ تھی۔ وہ بے حد فیاض اور ضرورت سے زیادہ لاابالی تھے وہ موج اڑانے کے عادی تھے اور ادبی سرگرمیوں میں عزق ہو کر وہ پیسے کی اہمیت اور کفایت شماری یا سلیقے سے خرچ کرنے کے مسائل پر عورتی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے

گھرانے نے، جو بڑی تجارت کے ذریعے دولت کمانے میں مشہور تھا، دیکھا کہ خاندان کے خزانے کی تھیلیاں بے سود خالی کی جا رہی ہیں۔ خاندان کے اعزٰ اور احباب مہاراجہ بنارس کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ وہ اپنے ہبائیں کو دولت کے مصرف بیجا سے روکنے میں معاونت فرمائیں۔ مہاراجہ نے ہریش چندر کو طلب کر کے انھیں اس فضول خرچ پر خاندان کے افراد کی کمیڈی گی سے آگاہ کیا۔ نوجوان ہریش چندر نے بے باکانہ جواب دیا کہ انھیں دولت کی پرواہ نہیں ہے انھوں نے کہا کہ دولت ان کے آباد و اجداد کو کھا چکی ہے اور اب انھوں نے طے کر رکھا ہے کہ وہ اس دولت کو کھا جائے گی۔ اس طرح مہاراجہ کی دخل اندازی بھی زیادہ اثر انداز نہ ہو سکی۔ اور اصراف بے جا کا سلسلہ جاری رہا۔

ان حالات میں خاندانی جامداد کے بٹوارے پر حیرت نہ ہونی چاہیے۔ اس مقصد کے لیے طویل مباحثت کے بعد ایک اصول وضع کیا گیا جس میں ہریش چندر کے علاوہ خاندان کے ہر فرد نے شرکت کی۔ مزاجی اعتبار سے وہ ایسے موقع کے لیے نامناسب تھے انھوں نے نشان زد مقام پر بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ دستاویز میں کیا لکھا ہے اپنے دستخط ثبت کر دئے۔ ہریش چندر کو نقدر قلم میں سے، یہ کہہ کر کوئی حصہ نہیں دیا گیا کہ وہ ابتدائی برسوں میں ہی کافی خرچ کر چکے ہیں اور بٹوارے کے کاغذات کی رجیستری بڑی عجلت میں کرالی گئی جس میں غیر منقولہ جامداد کا بٹوارہ کیا گیا تھا۔ چند برسوں کے بعد ہریش چندر کی نانی کا وصیت نامہ بھی بدل دیا گیا اور ہریش چندر کا حصہ گوکل چندر کے نام منتقل کر دیا گیا۔

جامداد کا بٹوارہ، اس زمانے کے قانون کے مطابق اس یات کی علامت نہ تھا کہ اب خاندان مشترک نہیں رہا۔ موروثی مکان اب بھی مشترک تھا۔ سبھی ایک جھپٹ کے نیچے ایک گھرانے کی حیثیت سے قیام پذیر رہے صرف ہریش چندر کے پروں

میں معمولی گرہیں لگادی گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے حصے کا روپیہ کھاپی ڈالا اور پھر قرض کا سلسلہ شروع ہو گیا جب قرض بہت بڑھ گیا تو غیر منقولہ جامدادر فروخت کرنے کی نوبت آگئی۔ ان کے بھائی گوکل چندر نے، جن کا پہلا حق تھا، ہریش چندر کا قرض ادا کر کے جامدادر اپنے نام منتقل کروالی اور رفتہ رفتہ ہریش چندر کی تمام جامدادر جاتی رہی وہ اس انجام کے لیے تیار تھے البتہ اپنی بتر زنج گرتی ہوئی ساکھ اور اس کے نتیجے میں پیش آنے والی دشواریوں سے وہ پریشان تھے اس کے باوجود وہ ہندی ادب کے سرمائیے میں اضافہ کرنے پر کمر بستہ رہے حالانکہ ان کے خاندان کے افراد اور خیر خواہ اس قسم کے غیر ضروری مصارف مثلًاً کتابوں اور رسائل وغیرہ پر ہونے والے خرچ کے سخت مخالف تھے۔

چھ

ہندی کے تین بھارتیں دو کی خدمات کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ادبی اقتضان کی آمد سے قبل ہندی کی ارتقائی صورت کا جائزہ لینا مناسب ہو گا۔

وہ زبان جسے آج ہندی کہتے ہیں، شمالی ہند جس میں آج کے راجستان، ہریانہ، دہلی، اتر پردیش، مدھیہ پردیش اور بہار شامل ہیں، کی مقامی بولیوں سے پیدا ہوئی ہے ان علاقوں میں مروج بولیاں راجستان کی میواتی، مارواڑی، بھے پوری اور مالوی، ہریانہ کی کھڑی بولی اور بانگڑہ اور اتر پردیش، مدھیہ پردیش اور بہار کی برج بھاشنا، قنوبی، بندیلی، اودھی، بھیسلی، چھتیس گڑھی، میتھلی، بھوچپوری، مگدھی وغیرہ تھیں۔ دیوناگری رسم الخط کو قبول عام حاصل تھا۔

چونکہ ان میں سے بیشتر بولیوں کو بطور خاص مارواڑی، برج بھاشنا، اودھی، میتھلی اور بھوچپوری کو شعر ار بکثرت استعمال کرتے تھے اس لیے ان بولیوں میں شعری ادب کا کثیر سرمایہ موجود تھا البتہ نظری ادب کا ذخیرہ بہت کم تھا اور یہ صورت حال دورِ وسطیٰ تک برقرار رہی۔

مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے ساتھ ساتھ ایک نیا عنصر بھی آیا۔ بیرونی لوگ اپنے بمراد عربی، فارسی اور ترکی الفاظ بھی لائے اور وہ ان علاقوں کی زبانوں میں جہاں مسلم حکمران فتحیاب و کامران ہوئے، داخل ہو گئے ان میں دکن بھی شامل ہے

اور انھیں خطوں کو اردو زبان کو پرداز چڑھانے کا فخر حاصل ہے (اردو کے معنی ترکی زبان میں فوجی پڑاؤ کے ہیں) یہ نئی بولی جانے والی زبان جس میں عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کی آمیزش تھی مقامی زبانوں کے ساتھ بیرونی زبانوں کے الفاظ کی قلمبندی کا شمرہ تھی۔ مقامی بولیوں اور فاتحین کی زبان کا رابطہ نہایت فطری تھا۔ جہاں ہم بہت سے ہندوؤں کو حکمرانوں کی زبان فارسی سیکھتے ہوئے دیکھتے ہیں وہیں زندگی کے تقریباً ہر شعبے اور طبقے کے مسلمانوں کو جن میں حکمرانوں سے لے کر اولیا راللہ تک شامل تھے دہلی کے قرب و نواحی میں مرودجہ بولی ریختہ یا ہندوی کی سرپرستی کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ شاہ میراں بیجا پوری بہان الدین سید محمد گیسو دراز وغیرہ بھی ہندوی میں لکھتے تھے۔ امیر خسرو، ملک محمد جائسی اور کبیر داس نے بھی ہندوی میں لکھا جسے بھی دلی اور خوبصورت ہندی تسلیم کیا جاتا ہے مغلوں، بطور خاص اکبر نے ہندوی کے استعمال کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ کچھ ہندوی استعار کا خالق بھی ہے۔ اس کا قلمی نام اکبر رائے تھا۔ اس کے نور تنوں میں سے ٹوڈر مل، بیربل، عبد الرحمن خان خاناں اور ابوالفضل نیز اس کے معاصرین مثلًا گنگا کوئی، تلسی داس، سور داس اور کیشودا اس نے بھی ہندوی میں لکھا۔ ہندوی کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد حکومت میں بھی جاری رہا اور آخری دنوں میں مختلف صوبوں کے حکمرانوں مثلًا لکھنؤ، اودھ، مرشد آباد اور حیدر آباد (دکن) نے بھی اس کی سرپرستی کی۔ آخری مغل بادشاہ بذاتِ خود شاعر تھا اور اس کی تخلیقات کو بہت سے لوگ ”نفیس ہندوی“ کہیں گے۔

مغلوں کے عہد میں شاعری کاروچجان عام تھا پھر بھی چند نشری کارنامے پیش کرنے کی کوشش کی گئی مثلًا رام پرساد نرجمنی کی ”بھاشایوگ و شمشٹ“ (۱۸۷۲ء) یا پنڈت دولت کا ”پدم پر ان“، کا ہندوی ترجمہ (۱۸۶۱ء) پھر عیسائی مبلغین کی آمد سے ایک نیا رخ پیدا ہوا۔ یہ مشتری مقامی زبانوں میں انجیل کی تعلیم دینا چاہتے تھے اور

دوسروں کے بر عکس انہیں طباعت کی سہولیات بھی حاصل تھیں ان تمام وجہ سے ہندوستانی (مقامی) زبانوں میں جن میں ہندی بھی شامل ہے، لکھنے کا رجحان بڑھا مشنریوں کی کوشش تھی کہ ایسی زبان استعمال کریں جسے زیادہ سے زیادہ لوگ سمجھتے ہوں جس کا مطلب ہے بولی جانے والی ہندی۔ بہر حال مختلف اسباب کی بنار پر یہ زبان نظر میں زیادہ فروغ نہ پاسکی اور اس دور کے خال خال نظر آنے والے نظری کارنامے بھی دراصل برج بھاشا میں تھے۔

مغلیہ سلطنت کے زوال اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی فتحیابی نے انگریزوں میں ہندوستان کی مقامی زبانوں کی اہمیت کا احساس بھی پیدا کیا۔ کمپنی نے خود برطانیہ سے آنے والے عہدے داروں کو مقامی زبانوں کی واقفیت بھم پہنچانے کی غرض سے ایک کالج قائم کیا (۱۸۰۷ء میں) جس کا سربراہ ڈاکٹر گلگلر اسٹ نھا اردو سے بے حد متاثر ہو کر اس نے خود ایک اردو۔ انگریزی لغت تیار کی اور اردو گرامر سے متعلق ایک کتاب بھی لکھی۔ اس نے مصنفوں کی ایک شاندار جماعت کو یکجا کر لیا جنہوں نے سیاسی استحکام اور حکم اور قوتوں کی سر پستی سے بھر پور استفادہ کیا۔ ان مصنفوں میں سے بیشتر ایک سے زیادہ زبانیں جانتے تھے وہ نہ صرف مقامی بولی (ہندی یا ہندوی) سے واقف تھے بلکہ اردو و فارسی کے ماہر بھی تھے جو اس دور کی عدالتی زبانیں تھیں۔ لالو لاں جی نے جو آگرہ سے آئے تھے اور اسی وجہ سے مغربی یو۔ پی میں بولی جانے والی کھڑی بولی اور برج بھاشا جانتے تھے "بھگوت پران" کا ایک باب ہندی میں ترجمہ کیا اور "پرم ساگر" کے نام سے شائع کیا ان کی دوسری کتاب "راج نیتی" دراصل "ہنتو پدیش" اور "پنج تنقر" سے برج بھاشا میں ماخوذ تصنیف تھی دوسری تصنیف مثلًا "سنگھا سن تنبیسی" اور "بیتال پچیسی" میں اردو ہندی کا امتزاج ہے سادل مصروف دوسری اہم شخصیت کا نام ہے جنہوں نے "نیشنل کیپتو پائی"

(۱۸۰۴ء) تصنیف کی۔ ان کی ہندی، جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ لولال جی سے نریادہ ہندی پن، رکھتی تھی، اربابِ اقتدار کو ریادہ پسند نہ آسکی۔ اسی عہد میں انشا راللہ خاں نے اپنا کلائیکی کارنامہ "رانی کیتھی کی کہانی" پیش کیا۔

عوامی پیمانے پر بولی جانے والی ہندی کے نظری استعمال کی سہولت کو تسلیم کیا گیا۔ راجہ رام موہن رائے نے اپنا جریدہ "بنگاڑوت" چارز بالوں میں شایع کرنا شروع کیا جن میں سے ایک دیوناگری رسم الخط کے ساتھ ہندی نظر میں تھا۔ انہوں نے اپنے کچھ کتابیجھے بھی ہندی نظر میں شایع کیے یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اولین ہندی رسالے "اودنٹ مارٹنڈ" (۱۸۲۶ء) میں ہندی نظر، ہی استعمال کی گئی تھی۔

شومی قسمت سے اس رہنمائی کو جو ہندی ادب اور ہندی صحافت کو میسر آئی تھی، چند دہائیوں تک اہمیت نہیں دی گئی اور اس مشعل کو آگے لے جانے میں سرگرمی نہیں دکھائی گئی۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدیداران نے اس طرف سے سرد مہری برتری جو فطری طور پر مغلیہ دور کی عدالتوں میں استعمال کی جانے والی زبان کو ہی بحال کرنے کے حق میں تھے۔ ان حالات میں چیرت کی بات نہیں کہ ہندی پس پشت جا پڑی۔

شمایلی ہندوستان کے ہندی بولی دلے علاقے میں سب سے پہلا ہندی رسالہ ۱۸۲۶ء میں بنارس سے شایع ہونا شروع ہوا اس کے مدیر ایک بنگالی مصنف تارا موہن متر اس تھے یہ رسالہ براہ راست راجہ شیو پر ساد ستارہ ہند کی سرپرستی میں نکلتا تھا اور اس میں مستعمل زبان فارسی آمیز اردو سے اتنی قریب تھی کہ ہندی سے اس کا رشتہ مخصوص اپنے رسم الخط کے ویسے سے ہی جوڑا جاسکتا تھا۔ ہر چند کہ راجہ شیو پر ساد کو دیوناگری رسم خط کا حامی کہا جاتا ہے لیکن انہوں نے

جس زبان کی تبلیغ کی وہ فارسی آمیز اردو تھی۔ ہندی قلم کاروں میں اس کے خلاف ردِ عمل شروع ہوا اور اس ردِ عمل کے زیرِ اثر وہیں بنارس سے ایک دوسرا رسالہ "سدھا کر،" شایع کیا جانے لگا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس رسالے کو تاراموہن متراء کی حمایت بھی حاصل تھی اس میں تقریباً ایسی شدھ بجا شا استعمال کی گئی جسے ہندی کہہ سکتے ہیں۔

راجہ شیو پر ساد کی اختیار کر دہ ہندی کی مخالفت کا دائرہ مخصوص صحافت تک ہی محدود نہیں رہا ان کے اسلوب کی بھی جوانخوں نے "اتہاس تمناشک" میں اختیار کیا تھا، مخالفت کی گئی۔ اس مخالفت کی قیادت راجا لکشم سنگھ (۱۸۲۶-۹۴) کر رہے تھے جنخوں نے اردو اور ہندی کے بنیادی اختلافات کی وضاحت کی۔ ان کے مطابق یہ دونوں مختلف زبانیں تھیں۔ انخوں نے بطور خاص ایسے فارسی اور عربی الفاظ کے شعوری استعمال کو نامناسب قرار دیا جن کے متراود آسان لفظ روزمرہ کی زندگی میں مستعمل ہندی میں موجود تھے۔

سات

اجنارت اور کتب میں استعمال ہونے والی زبان کا قضیہ ایک طرح سے ہریش چندر نے طے کر دیا جنھوں نے ۱۸۶۷ء میں "کوئی وچن سدھا" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا۔ اس جریدے میں قدیم و جدید شاعری شایع کی جاتی تھی۔ اس کے ابتدائی شماروں میں بہاری کے اشعار، جائسی کی 'پدمات'، اور 'انوراگ باغ'، وغیرہ اشاعت پذیرہ ہوئیں۔ ہریش چندر خود بھی ایک اعلیٰ درجے کے شاعر تھے اور پُر اثر انداز میں پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ لوگ انھیں "کلنجک کا کنھیا" یا "کلنجک کے بھگوان شن" کہنے لگے۔ یہ نام انھیں اپنے سانوں لے رنگ اور لمبے گھنگھریالے بالوں کی وجہ سے دیا گیا۔ ان کی تخلیقی مہارت، ادائیگی کے انداز اور رسالے کے مواد نے رسالے کے قارئین کا حلقہ بہت وسیع کر دیا۔

"کوئی وچن سدھا" کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی حالانکہ اس کی تعداد اشاعت، خریداروں کے لیے ڈیڑھ سے ڈھائی سو کا پیوں اور برطانوی ڈائرکٹر تعلیمات کے لیے سو کا پیوں تک محدود رہی جلد ہی یہ پرچہ پہلے پندرہ روزہ اور پھر ہفتہ وار ہو گیا۔ آخری سالوں میں "کوئی وچن سدھا" میں نظری تخلیقات کو بھی جگہ ملنے لگی۔

آخری ایام کے ایک جائزے کے مطابق "کوئی وچن سدھا" ان تین

عوامی ہندی رسائل میں سے ایک تھا جو ۱۸۹۷ء میں جموں، سکندر آباد اور بنارس سے شایع ہوتے تھے ان میں سے موخرالذکر ”کوئی وچن سدھا“ بنارس سے بھارتیہ و ہریش چندر کی ادارت میں شایع ہوتا تھا، جنہیں ہندی کارام موہن رائے تصور کیا جاتا ہے۔ وہ اس وقت بھی ایک شہرت یافتہ مصنف تھے جب ماہنامہ جاری ہوا تھا اور ان کی تحریک پر بہت سے دوسرے مصنفین نے بھی لیک کہا۔ کہا جاسکتا ہے کہ ہندی صحافت انہیں کی کاؤشوں سے اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی بلند معیار ادبی رسائل کا ایک سیلا بسان کی تقسیم میں اٹھ پڑا لیکن ان میں سے بیشتر محقق چند برس ہی زندہ رہ سکے کیوں کہ انہیں عوامی مقبولیت حاصل ہنیں ہو سکی

”کوئی وچن سدھا“ نے ہریش چندر کی صحافتی مقاصد کی تشنگی میں اور بھی اضافہ کر دیا چند ہی برسوں میں (۱۸۹۳ء) انہوں نے ایک اور ماہنامہ ”ہریش چندر میگزین“ جاری کیا جو ایک سنگ میل ثابت ہوا۔ ہریش چندر کے احباب نے ”میگزین“ کی اصطلاح کے استعمال کو پسند نہیں کیا چنانچہ انہوں نے اس کا نام تبدیل کر کے ”ہریش چندر چندر بیکا“ رکھ دیا لیکن اولین نام ”میگزین“، رسالے کی پشت پر انگلکریزی میں چھپتا رہا۔

”ہریش چندر چندر بیکا“، ایک نئے قسم کا رسالہ تھا اسے نشر اور ڈرامے کی اشتافت کا امتیاز حاصل تھا اور اس میں انسایی، کتابوں پر تبصرے اور شطرنج، مزاح وغیرہ جیسے موضوعات پرمضا میں شایع ہوتے تھے۔ دراصل اس میں کسی بھی موضوع اور ہر اس چیز پر مضا میں یا مقالے شایع کیے جاتے تھے جن کا تعلق بڑے پیمانے پر عوام سے ہو۔ اس کے خریداروں (جنہیں مدیران معاون کہا جاتا تھا) میں اس عہد کے مشاہیر شامل تھے مثلاً ایشور چندر و دیساگر، کیشوار چندر رسین،

سوامی دیاند سرسوتی وغیرہ "کوئی وچن سدھا" کی مانند اس جریدے کو بھی ہندوستان کے برطانوی حکمراؤں کی سرپرستی حاصل تھی اور وہ اس رسالے کی بھی سوکا پیاں خریدا کرتے تھے۔

اس رسالے کا قابل ذکر و صفت یہ ہے کہ عام بول چال کی زبان کے استعمال کی ترغیب دلاتا تھا جو بے حد فارسی زدہ زبان، جس کے راجہ شیو پر سادستارہ ہند حامی تھے یا ان کے مقلدین کی زبان اور بنارس کے پنڈت گھراؤں کی سنسکرت آمیز ہندی سے مختلف تھی۔ ہریش چندر اس ہندی کے قائل تھے جو بولی جاتی تھی یہ بھی اہم بات ہے کہ ہر چند وہ بنارس کے متمول ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ہریش چندر بنارس کے عام آدمیوں بلکہ کافل طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کے ساتھ پینے پلانے کا سلسلہ رکھتے تھے۔ سڑک سے گزرتے ہوئے لاوانی جٹک بندی کرنے والوں کے ساتھ ہریش چندر اپنی زرق برق پوشک اور لوازمات کے ساتھ پیٹھ جاتے اور ان کے ساتھ مل کر شعر کہتے۔ انہوں نے ایک عام آدمی کے استعمال کی زبان آسان ہندی کو اپنے وسیلہ اظہار کی جنتیت سے اختیار کیا۔ ہر اعتبار رسالہ "ہریش چندر یکا" بے حد مقبول پر چہہ تھا۔ اس کے قارئین بے چینی سے اگلی اشاعت کا انتظار کیا کرتے تھے۔ بذاتِ خود ہریش چندر بھی اس رسالے کی کارکردگی سے بے حد مسروور تھے۔

ان دونوں رسالوں نے ہندی صحافت کا معیار بہت بلند کر دیا ان کی پیروی میں ہندی رسائل کی ایک بڑی تعداد منظرِ عام پر آئی اور صحافیوں اور قلم کاروں کی کم نہیں جماعت پیدا ہو گئی یہ جماعت "ہریش چندر منڈل" کے نام سے پہچانی جاتی تھی (ہریش چندر کے پیرو) اور ہریش چندر کے بعد بھی اس جماعت نے اپنی روایت کو جاری رکھا اور ہمیشہ ہریش چندر کے کارنا موں سے تحریک حاصل کرنے کا اعتراف

کرتی رہی۔ ان میں سے لاٹ ذکر بدری نراں چودھری پریم گن، مرتا پوری تھے جو کئی دوسرے فنکاروں کی مانند اُردو سے ہندی میں آئے تھے انہوں نے ماہنامہ "آنند کاد میمنی" اور ہفت روزہ "ناگری نیرد" جاری کیا وہ ایک چونکھی قلم کار تھے اور کہا جاتا ہے کہ ایک بار ہریش چندر نے انہیں ہدایت کی تھی رسالے میں زندگی کے مختلف شعبوں کے قلم کاروں کی نامندگی ہونی چاہیے۔ بجائے اس کے کہ ایک ہی مصنف کی تخلیقات سے پورا شمارہ بھر دیا جائے۔ پنڈت پرستاپ نراں مصروف سے اہم فنکار تھے جو اردو سے ہندی میں منتقل ہو گئے تھے انہوں نے ہریش چندر کے رسالوں سے اس کا رخیر کی ابتداء کی۔ وہ کانپور سے "برہمن" نکالتے تھے۔ پنڈت بالکشن بھٹ نے کلکتہ سے الہ آباد والی آنسے پر ایک رسالہ "ہندی پردیپ" جاری کیا جو بعد ازاں ہندی وردھنی بسھا، کا ترجمان بن گیا۔ یہ سبھا اور اس کا رسالہ دونوں ہریش چندر سے اثر قبول کرتے رہے جنہوں نے اس رسالے کا مولو لکھا ہفت اور اور الہ آباد پہنچ کر اپنا خطبہ صدارت (منظوم) پیش کرتے ہوئے ملک کی ترقی میں مادری زبان کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ لالہ شری نواس داس نے، جو مفسر اے دہلی منتقل ہو گئے تھے اور اردو سے ہندی میں منتقل ہونے والے ایک اہم فنکار تھے ایک پرچہ "سد آدیش"، نکالا جو بعد ازاں "چندریکا" میں ضم ہو گیا۔ ہریش چندر سے متاثر ایک اور فنکار، پنڈت رام چرن گوسوامی نے ایک رسالہ جاری کیا جس کا نام "بھارتیندو" تھا۔ ایک اور جریدہ "سر اُدھانِ ہندی" رام شنکر دیاس نے جاری کیا یہ بھی بھارتیندو کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔

ان تمام رسائل اور مدیران پر "کوئی وچن سدھا" یا "ہریش چندر چندریکا" کے گھرے اثرات تھے۔ فطری بات ہے کہ ہریش چندر کو اپنے کارناموں پر احساس فخر ہوا ہوگا۔ آنے والے برسوں میں مبینہ طور پر انہوں نے اکثر کہا کہ ان کے

رفقار کے کامیاب مصاہیں وہی ہیں جو "چندر بیکا" میں شایع ہوئے تھے۔ صحافت کے میدان میں اپنی کامیابیوں سے حوصلہ پا کر انہوں نے دو اور رسائلے "بالا بودھنی" اور "بھگوت توشنی" جاری کیے۔ اول الذکر یعنی "بالا بودھنی" خواتین کا ماہنامہ تھا جس نے تندہی کے ساتھ تعلیم لنسواں اور عورتوں کی ترقی کیلئے جدوجہد کی۔ یہ اپنی طرز کا منفرد پرچہ تھا اور انگریز حکمرانوں کی سر پرستی اسے بھی حاصل تھی جو "کوئی وچن سدھا" اور "ہریش چندر چندر بیکا" کی مانداں پرچے کی کاپیوں کو مقررہ تعداد میں خریدتے تھے۔ "بھگوت توشنی" چوتھا سالہ ہٹا جو ہریش چندر کی زیر ادارت شایع ہوتا تھا اور دیشناومت کے پروڈوں کی ضروریات کے پیش نظر جاری کیا تھا ہریش چندر خود بھی اسی مت کے پروٹھے لیکن اس رسائلے کے چندہی شمارے منظرِ عام پر آسکے۔

ہریش چندر اتنے سچے بھگت تھے کہ انہوں نے نہ صرف دیشناومت کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے ایک سوسائٹی قائم کی بلکہ خود بھی دوسرے عقیدتمندوں سے گہرا ربط ضبط رکھتے تھے بطور خاص ان کے ساتھ، جن کا تعلق شمالی ہند سے تھا۔ ولبھ چاری مت کے رہنماء متحرا کے رادھا چرن گو سوامی سے ان کے قربی اور ذاتی تعلقات تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ گو سوامی کے ساتھ مراسلت کے دوران اس عقیدے کے ماننے والے ماضی کے ان رہنماؤں اور ان کے کارناموں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جن کا علم بہت کم لوگوں کو تھا اور اس مراسلت میں تحقیقی مقالہ تیار کرنے والے محققین جیسی روح کا فرمانظر آتی ہے۔ ہریش چندر گو سوامی کے ساتھ عظیم فنکاروں کی نصاویر حاصل کرنے اور انہیں بیش بہا قیمت ادا کر کے اپنے الہم کے لیے محفوظ کرنے کی باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔

انہوں نے گاؤ کشی کو ممنوع قرار دینے کی تحریک چلانی اور اس کے لیے

انھوں نے لوگوں کو کافی معاوضہ دے کر ڈراجے اور کتابیں لکھنے کی دعوت دی، وہ گوشت خوری اور شراب نوشی کے امتناع کے لیے بھی کوشش رہے۔ ان کے خیال میں یہ دونوں لعنتیں تھیں۔ معلوم نہیں یہ سوسائٹی، جس کے ممبران تحریری حلف نامہ داخل کرتے تھے، کب تک قائم رہی بہر حال اس کے مقاصد ہریش چندر کو عزیز تھے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے رسالوں کے قارئین اور دیگر احباب کو غیر ملکی کپڑے کی خریداری نہ کرنے کا وعدہ لینا پڑتا تھا۔ وہ اس بڑے عوامی مطالبے سے بھی قریبی تعلق رکھتے تھے کہ ہندوی کو ان علاقوں میں، جو آج اثر پرداش میں شامل ہیں، عدالتی زبان کی چیخت سے تسليیم کیا جائے۔

آہ طہ

حالانکہ ہریش چندر نے نظمیں لکھنے کا سلسلہ بہت کم سنی یعنی سات برس کی عمر میں شروع کر دیا تھا اور کئی سماجی اور سیاسی موضوعات پر قلم اٹھایا لیکن ولشنومت کا بھلگتی رو یہ ان کی شاعری کے بڑے حصے کی اساس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر انھیں بھلگتی تحریک کا آخری شاعر تصور کیا جاتا ہے۔

ہریش چندر برج بھاشا کے بڑے عاشق تھے جس میں بھگوان کرشن اور آن کی محبوبہ رادھا اور اس سے متعلق موضوعات پر شاعری کی گئی ہے۔ ہریش چندر شکریہ کے مستحق ہیں کہ برج بھاشا جیسی شیریں اور پرتاشر زبان نے، جسے کچھ لوگ، بے استخواہ، کہا کرتے تھے، ان کے وسیلے سے ایک بینا اور ترشاہ والہ جہہ حاصل کیا۔ انھوں نے حقیقی عقیدت مندانہ روحانات اور احتسابی شاعری کے مابین ایک تعلق پیدا کیا۔ ان کی بیشتر نظموں نے عشق کی روحانی قوت سے تقویت حاصل کی ہے اور ان کے یہاں شرنگار (ارضی محبت کارویہ) بھلگتی میں تخلیل ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

ہریش چندر نے ہندی میں کم و بیش تین ہزار بھلگتی گیتوں اور عشقیہ نظموں کا اضافہ کیا یہ تقریباً سبھی مملکتہ بھروسیں میں ہیں (جن کی تعداد تقریباً یک صد سے) مثلًاً 'ہندو لا'، 'پوروی'، 'خیال'، 'کلیان'، اور 'وہاگ'، ان کی نظمیں تقریباً بیس کتابوں میں پھیلی ہوئی ہیں جن کا تعلق برائہ راست اس مت سے ہے

جس کے وہ پیرو تھے۔

"بھگت سر و سوا" میں وہ بھگوان کے مختلف منظاہر بیان کرتے ہیں "پریم مالیکا" میں وہ بھگوان کرشن کے بچپن کی عکاسی پیش کرتے ہیں۔ گوپیوں کی گریہ وزاری کا وہ سماں جو بھگوان کی جنم بھومی سے رخصت کے موقع پر پیش آیا تھا، ان کا محبوب موضوع شعر ہے ایک نظم گوپیوں سے کرشن کی مفارقت کے بعد ان کی دل شکستگی کے بیان سے شروع ہوتی ہے بعض نظموں میں ان تشفی آمیز تعلیمات کا ذکر ہے جو جدائی کے عمل کو گوارا بنانے کے لیے گوپیوں کو دی گئی تھیں۔ بھگوان کی بیلا (کھیل) اور بے آسرالوگوں کے مذہبی جذبات کو چند دوسرا نظموں کا موضوع بنایا گیا ہے بھگوان سے بے لوث محبت اور محبت برائے محبت کا موضوع بھی انھیں بے حد مرغوب ہے۔ ان کی "پریم سر وور" میں عشقِ حقیقی کا جذبہ سیراب ہوتا ہے اسکے علاوہ تقریباً ایک درجن کے قریب اشعار میں انہوں نے راہِ عشق کی دشواریوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے تقریباً سات اشعار میں جھیل کے حسن کا بیان ہے سات اور شعر عشقِ حقیقی کی عظمت بیان کرتے ہیں اور آخری چار اشعار میں عشقِ حقیقی کا کردار واضح کیا گیا ہے۔ "پریم مادھوری" میں شاعر بھگوان کے وسیلے سے خود اپنی شناخت کرتا ہے کہ اس کے بغیر زندگی کی تکمیل ہی ممکن نہیں۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ کس طرح عورت کی اپنے سوامی سے محبت مجنونا نہ کیفیت میں تبدل ہو جاتی ہے۔

"پریم پھلواری" میں عشق کو طہارت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ "پریم پر تاپ" میں بے مقصد محبت سے پیدا ہونے والی محرومیوں کا بیان پیش کیا گیا ہے۔ "پریم اشر و درشنا" موسم برشگان میں محبت کی کیفیات کے گرد و پیش بنی گئی ہے۔ اس تصنیف کے چھپا لیں پدموسم کی مسروتوں کے تذکرے پر مشتمل ہیں۔ جھولے کی خوشنیاں اور مزے بارش کی پھواروں میں چھل چھلانی کا کھیل اور عشقیہ مکالمات ان کے

موضوع ہیں۔ مانسون کی برسات کے خوبصورت مناظر کی لطافتیں کئی نظموں کا مرکزی
خیال ہیں۔ ”پریم ترنگ“ ان انسانی رویوں کا، جو محبت میں ارضیت پیدا کرتے ہیں،
بیان ہے جس میں شاعر نے عشق کے بے غرضانہ تجربات بیان کیے ہیں۔ یہاں ویشنو شاعر
عشقِ مجازی کا شاعر بن گیا ہے۔ عشق کی ہمہ گیری، جس کے بغیر انسان کی زندگی کھو گئی،
بے معنی اور بے کیف بن جاتی ہے، ”پریم سرودر“ میں بیان ہوئی ہے۔ بہ اعتبار معيار،
ہریش چندر کی برج بھاشا کے تینیں خدمات بے حد و قیع ہیں۔ وہ اس نسل کے آخری
فرد ہیں جس نے پوری قوت کے ساتھ برج بھاشا کا تخلیقی استعمال کیا۔

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ برج بھاشا پر ایسی مہارت رکھنے کے باوصفت،
ہریش چندر نے آنے والے دور کے تقاضوں کو سمجھ لیا اور کھڑی بولی میں شاعری کی
اولیں کوششیں کیں جس نے آگے چل کر برج بھاشا کی جگہ لے لی۔ کھڑی بولی میں
ہریش چندر کی چند تخلیقات کلکتہ کے جریدے ”بھارت متر“ میں اشاعت پذیر ہوئیں
کھڑی بولی میں اپنی نظموں کی اشاعت کے موقع پر انہوں نے ایسی تجادیز پیش
کرنے کی دعوت دی جن پر عمل کر کے کھڑی بولی میں شاعری فروع پا سکے۔
انہوں نے ان بحدوں کا تجزیہ بھی کیا جو قبول عام حاصل کر سکتی تھیں۔

ہندوی ادب کی مختلف اصناف میں ہریش چندر کی خدمات کا عام طور پر
اعتراف کیا جاتا ہے لیکن اس بات کو لوگ کم ہی جانتے ہیں کہ وہ اردو کے بھی ایک
معروف قلم کار تھے۔ ۱۸۷۴ء میں انہوں نے اردو ہفتہ وار ”قادد“ کے اجراء کی
اسیکیم تیار کی اور اس کی مجوزہ اشاعت کا اعلان بھی کر دیا لیکن قارئین کی نظر ہری
کی وجہ سے اس ارادے کو ملتومی کرنا پڑا۔ اردو میں ان کی نظموں، نشری
تجربوں اور مضمایں کا مجموعہ سو مطبوعہ صفحات سے زائد ضخامت کی کتاب
بن سکتا ہے۔

وہ اردو کے شعراء انیس اور وزیر کے مرتبی اور دوست تھے انہوں نے خود اردو میں شاعری کی اردو میں ان کا تخلص رسماتھا۔ انہوں نے غزلوں میں اپنے بلند معیار کو برقرار رکھا۔ ایک شاعر امیر علی ان کی محفل میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ ہریش چندر نے ”گلستانِ پُر بہار“ اور ”چمنستانِ پُر بہار“ کے عنوان سے اردو شاعری کے عمدہ انتساب بھی مرتب کیے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مختلف ادبی حلقوں میں کافی پسند کیے گئے۔

ہریش چندر کے کردار کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اردو کے ابھرتے ہوئے شعراء اور شاعرات کے ساتھ تعلقات استوار کیے مثلاً انہوں نے بیگم بھوپال کی ادبی سرگرمیوں میں گھری دلچسپی لی جو روپ رتن، تخلص فرماتی تھیں۔ انہوں نے نہ صرف بیگم صاجبہ کی غزلیں اپنے انتخابات میں شایع کیں بلکہ انہیں توصیفی نوٹ کیسا تھا شائع کرنے کے لیے کلکتہ کے ”بھارت متر“ کو بھی آمادہ کیا۔

ہریش چندر اردو نثر بھی خوب لکھتے تھے۔ ان کے چند مصنفوں میں، مثلاً ”پنجاون پیغمبر“ اور ”خوشی“، میعاری فن پارے ہیں۔ ان کی مزاجیہ تحریر ”قانونِ تعزیراتِ شوہر“، خاصی فارسی آمیز اردو میں قلم بند کی گئی ہے اور اس کا اختتام ایک فارسی شعر پر ہوتا ہے۔ ان کی اردو تخلیقات کے بارے میں لکھنؤ کے ایک رسا لے ”ہندوستانی اخبا“ کو لکھنا پڑا۔ ”پوری ہمارت کلام کے ساتھ ذہین فنکار نے عورتوں کے اس کردار کی تصویر کشی کی ہے جو اپنے شوہروں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ یہ مضمون انتہائی دلچسپ ہے۔ اب ہم با بو صاحب سے درخواست گزارہیں کہ وہ اسی طرح کا ایک قانون بیویوں کے لیے بھی وضع کریں۔ با بو ہریش چندر نے ہندی میں بہت کچھ لکھا ہے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ان کی تحریریں ہندی کے ارتقا کی سنگ ہائے میل ہیں ہماری خواہش ہے کہ وہ اپنی تمام ہندی تخلیقات کا ترجمہ

اردو میں بھی پیش کریں اگر وہ ایسا کریں گے تو اردو داں طبقے یقیناً ان کے نمونوں احسان ہوں گے۔ مزید برآں اگر ان کی سی صلاحیت رکھنے والے فنکار اردو میں ڈرامے لکھنے کی جانب متوجہ ہوں تو ایک خلا پر ہو جائے گا اور اردو ادب کی خدمت ہو گی۔ جب ہم ”بیل دیوی“ اور ”ستیہ ہریش چندر“ جیسی چیزیں دیکھتے ہیں تو ہمیں اردو کی محرومی پر رنج ہوتا ہے کہ ایسی لائق فخر تخلیقات سے اس کا دامن ہتھی ہے۔

نو

حالانکہ ہریش چندرا ایک ایسی عظیم ادبی شخصیت تھے جس نے تمام اصنافِ ادب میں اپنے نقوش مرتبہ کیے لیکن وہ خاص میدان جس میں ان کی خدمات سب سے زیادہ تسلیم کی جاتی ہیں، ہندی ڈرامے کا ہے۔ اپنے اٹھارہ سالہ ادبی سفر میں انہوں نے تقریباً اتنے ہی ڈرامے تخلیق کیے جن میں سے کچھ طبع زاد ہیں اور باقی ماندہ بنگالی، سنسکرت یا انگریزی سے ترجمہ ہیں۔

ہریش چندر میں ڈرامہ نویسی کی منفرد صلاحیت تھی اور ان کی اہمیت یوں بھی ہے کہ انہوں نے نہ صرف ڈرامے قلم بند کیے بلکہ وہ اداکاری کا خاص جوہر بھی رکھتے تھے ان دونوں مشاغل کا رجحان ان میں ابتدائی عمر سے ہی پایا جاتا تھا۔ جب وہ اپنی شادی کے فوراً بعد جگنا تھا پوری کی تیرتھ یا تراپر گئے تو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بردوان میں ایک بنگالی ڈرامہ خریدا تھا۔ بنگال کے ساتھ ان کے خاندان کے تعلق کا ہمیں شکر گزار ہونا چاہئے اور بنارس میں بنگالیوں کے ساتھ ان کے روابط کا بھی نتیجہ تھا کہ وہ آسانی بنگالی پڑھ سکتے تھے چنانچہ بنگلہ زبان میں ڈرانے کی نئی جہات سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ اسی نوع کے کارنامے ہندی میں پیش کرنے کا خیال پیدا ہو گیا۔

ان میں اداکاری کا جوہر بھی تھا جس نے اپنے اظہار کی راہیں تلاش کر لیں۔

ہمارا جہ بنا رہ نے سیتیل پر ساد تر پاٹھی کے ڈرامے "جانکی منڈل" کو جسے عام طور پر جدید ہندی کا پہلا ڈرامہ تسلیم کیا جاتا تھا، اسٹیج پر پیش کرنے کے لیے ہر ممکن امداد فراہم کی۔ رامان کے ایک واقعہ پر مبنی یہ ڈرامہ جو ۱۸۶۷ء میں قلم بند کیا گیا تھا ہمارا جہ کی موجودگی میں ہی اسٹیج کیا جانے والا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اداکار جسے بھمن کا کردار ادا کرنا تھا، کھیل کے پہلے دن بیمار پڑ گیا۔ ہریش چندر نے دعویٰ کیا کہ اگر نصف گھنٹے کی مہلت دی جائے تو وہ اس کام کے لیے تیار ہو سکتے ہیں ہمارا جہ کو شبہ تھا بہر حال انہوں نے ایک گھنٹے کی مہلت دی اور ہریش چندر نے عجلت میں ڈرامہ پڑھ دالا۔ سبھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ انھیں کتاب کا کم و بیش ہر لفظ ازیر ہو گیا! یہ کردار انھیں دے دیا گیا اور ڈرامہ اسٹیج پر پیش ہوا۔

مندرجہ بالا واقعات ایک معاصر برطانوی رسالے سے لیے گئے ہیں جن میں کسی حد تک مبالغے کی آمیزش ہو سکتی ہے لیکن دوسرے مأخذ سے بھی ہریش چندر کے مجرما العقول حافظے ڈرامی پیش کش اور ڈرامے کے ساتھ ان کے غیر معمولی شغف کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔

تقریباً یہی وہ زمانہ ہے جب ہریش چندر نے ڈرامے لکھنے کا آغاز کیا۔ ان کا سب سے پہلا ڈرامہ "پرواس ناطک" اب دستیاب نہیں ہوتا۔ دوسرا ڈرامہ "رتنا ولی" ترجمہ تھا جس کے پیش لفظ میں ہریش چندر کہتے ہیں (اور اب صرف یہی پیش لفظ دستیاب ہے) ہندی میں مختلف موضوعات پر کتب درحقیقت بہت قلیل تعداد میں بطور خاص ہندی ڈرامے، جنھیں حصول انسباط کے لیے پڑھا جاسکے اور جو ترقی یافتہ زبان کے لیے نمونہ قرار دی جاسکیں۔ اس لیے میں بے حد خواہش مند ہوں کہ ہندی میں کچھ ڈرامے ترجمہ کیے جائیں میرا خیال ہے کہ "اشکنستلا" کے بعد دوسرا ڈرامہ "رتنا ولی" بے جو مطالعہ کا بہتہ بین سامان فراہم کرتا ہے

اسی لیے میں نے اسے ترجمہ کر ڈالا۔۔۔ دوسرے ترجمہ بھی پیش کیے جائیں گے: ہریش چندر کا دوسرا ڈرامہ "ودیا سندھ" تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جتیند رموہن ٹھاکر کے بنگالی ڈرامے سے ماخذ تھا۔ ۱۸۷۰ء میں جب ہریش چندر ڈرامہ نویسی کی طرف مائل ہوئے پستوں جی فرامحی نے اور بھنل تھیٹ کمپنی قائم کی جس کے چند سال بعد دہلی کے خورشید جی بالی والا کی وکٹوریہ تھیٹ کمپنی ۱ جس نے برطانیہ تک میں ڈرامے اسٹیج کیے) اور پھر کاؤس جی کھڈا مکی مشہور الفریڈ تھیٹ یکل کمپنی وجود میں آئیں۔ بھارتیند نے محسوس کیا کہ ڈرامے کا فن نہ صرف فردوس گوش اور خلدِ نظر ہے بلکہ پانچوں فنوںِ لطیفہ کی پیش کش کے ذریعے حواسِ خمسہ کی تسلیں کا سامان مہیا کرتا ہے یہی سبب ہے کہ ہریش چندر نے اسے اپنا سب سے بڑا وسیلہ اظہار قرار دیا انہوں نے اندازہ لگایا کہ پرانے زمانے کے ڈرامے عہدِ قدیم کے نقادوں کی اصول بندی میں جگڑے ہوئے تھے اور عہدِ رواں کے پدلے ہوئے تناظر میں کامیاب نہیں ہو سکتے انہوں نے پارسی تھیٹ کی کامیابی کا بغور مشاہدہ کیا اور پارسی ڈرامے کے قابلِ قبول عناصر کو قدیم ڈرامائی فن میں خوبصورتی کے ساتھ آمیز کرنے کا تجھیہ کر لیا۔ پارسی تھیٹ کی تقلید میں ہندی تھیٹ یکل کمپنیوں نے بھی اسٹیج کی ضروریات کو محسوس کیا اور خالصتاً اخلاقی موضوعات کے بر عکس کردار نگاری پر زیادہ توجہ کرنے لگیں۔

ہر چند کہ بھارتیند کے ڈراموں کی چند شعری تخلیقات میں عموماً پڑ آہنگ برج بھانشا یا اودھی استعمال ہوئی ہے، اپنے ڈراموں میں بھارتیند نے پہلی بار کھڑمی بولی یا معياری عوامی زبان کا استعمال کیا ہے۔ جہاں ان کے برہمنی کردار سنکریت آمیز ہندی استعمال کرتے ہیں وہیں عوام الناس کی نمائشگی کرنے والے کردار مقامی ہندی بولتے نظر آتے ہیں۔

علاوہ ازیں بھارتیندو نے ایک درمیانی راستہ بھی اختیار کیا انہوں نے فرسودہ اور از کار رفتہ خیالات اور طریقہ کار کو نظر انداز کیا اور ایسے نئے طریقے اپنا کئے جوانکے اپنے زمانے کے لیے قابل قبول ہوں۔

بھارتیندو ہریش چندر کے آخری اہم کارناموں میں فنِ ڈرام ایسی پرانی تصنیف "ناٹک" شامل ہے جو بسترِ علالت پر قلم بند کی گئی تھی اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھارتیندو ڈرام کو صنفِ ادب کی حیثیت سے کتنا اہم مقام دیتے تھے۔ اپنی تصنیف "ناٹک" میں ہریش چندر رقم طراز ہیں، "یورپین ڈرام کی طرز پر لکھے ہوئے ڈرامے اور آج بنگالی میں قلم بند کیے جانے والے ڈرامے ہر اعتبار سے نئے رجحانات کی عنمازی کرتے ہیں۔

بھارتیندو نے پرالوں کے موضوعات، تاریخی موضوعات اور سماجی موضوعات سبھی استعمال کیے لیکن ان کے ساتھ ہی اپنے عصر کے موضوعات کی شمولیت ہندی ڈرامے میں ایک نئی چیز تھی۔ ان میں یہاں کی شادی، گوشت خوری پر پابندی، دیسی ریاستوں میں بدنظمی اور برطانوی نظام کے ذریعے ملک کے وسائل کا انگریزوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے بے جا استعمال، جیسے موضوعات شامل تھے۔ انہوں نے ہندوستانی سماج کی خامیوں کو بے باکی کے ساتھ اجاگر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ ہریش چندر کے قریبی اجہاب اور ہم عصر پرستاروں میں سے پرستاپ نرائن مصر، بدربی نرائن چودھری، پریم گن اور بال کرشن بھٹ نے جدید عصری موضوعات پر قلم اٹھایا۔

ہریش چندر نے بندی میں ڈرامے کو نیا ملبوس بھی عطا کیا چنانچہ جب انہوں نے ہندی میں "مرچنٹ آف وینس" کو "ڈر بھ بندھو" کے نام سے منتقل کیا تو انہوں نے پورنیا کو (ہندوستانی) نام دیا پُرشری۔ شایبلاک کے شیلکشو اور بسانیو کے بست نام

رکھے گئے۔ ڈیاسندر، کے علاوہ جو بنگالی سے ماخذ تھا، انہوں نے ایک اور ڈرامہ بنگالی سے اخذ یا ترجمہ کیا جس کا نام تھا، بھارت جنی، متعدد ڈرامے سنکرت یا پراکرت سے متترجمہ یا ماخوذ بھی تھے۔ ان میں سنتیہ ہریش چندر، 'چندر اوی'، 'مدرس راکٹس'، 'زناوی'، 'دھنا نجیہ وجیہ'، 'کرپور مسخری'، اور 'پاکھنڈ وڈ مبن'، شامل ہیں۔ ان کا شہر آفاق ڈرامہ، سنتیہ ہریش چندر، حق و باطل کے مابین جاری آفاقتی کشمکش کے موضوع پر تخلیق کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے کا ہیرو ایک دیومالائی راجہ ہے جس نے ہزار دشواریوں اور مصیبتوں کے باوجود حق پرستی کو اپنا و طیرہ بنارکھا ہے اور اس راہِ راست پر قائم رہنے کے لیے وہ اپنا سب کچھ تجھ کر مصائب و شدائد کا سامنا کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے دیومالائی کردار، وشوامتر، راجہ کی ان تمام سختیوں اور مصیبتوں کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ہریش چندر اور وشوامتر ماذی اغراض سے متأثر ہنسیں ہیں بلکہ ایک سچ کی علامت ہے اور دوسرا اسے شکست دینے کے درپے ہے۔ اس دیومالائی داستان کو بیان کرنے میں ہریش چندر نے اپنی تمام تر تخلیقی مہارت اور ڈرامہ نویسی کے فن پر مکمل قدرت کا مظاہرہ کیا ہے۔

'چندر اوی'، ایک دوسری دیومالائی ڈرامہ ہے جس میں بھگوان کرشن روحانی عشق کے اس آفاقتی اصول کی نمائندگی کرتے ہیں جس پر کائنات کا اختصار ہے۔ 'چندر اوی'، انسان کی اس ابدی خواہش کا ترجمان ہے کہ اسے حقیقت کا عرفان حاصل ہو سکے اور ایک ایسی عقیدت کی علامت ہے جسے انسانی دلکھ درد سے واسطہ نہیں۔ "پرم جوگنی" مختلف نوع کی تخلیق ہے اس میں ہریش چندر نے اس زمانے کے بنارس کی صورت حال کا فنکارانہ جائزہ پیش کیا ہے اس میں رقصاؤں کی بڑی تعداد کا بیان ملتا ہے جو ظاہر ہے ان کے دربار میں حاضر ہوتی ہوں گی دراصل اس طرح انہوں نے طوائفوں کے ساتھ اپنے ربط ضبط کا جواز پیدا کرنے کی کوشش

کی ہے جس سے ان کی تخلیقات میں حقیقت کی جھلک پیدا ہوتی ہے۔ 'پریم جو گنی' کے پہلے دو سین "دول تصویریں؛ اچھی، بُری یا غیر متعلق" کے عنوان سے پیش کیے گئے تھے۔ "بھارتیند و دردشا" میں اس دور کے ہندوستان کی عکاسی طنزیہ پر لئے میں کی گئی ہے اس ڈرامے میں اس زمانے کے ہندوستان کی خامیوں کو تمثیلی کرداروں کی مدد سے اجاگر کیا گیا ہے۔ بیماریاں، کامی، شراب نوشی، بے علمی اور افلات اس کے مرکزی کردار بیس۔ ۲۷ صفحات کے اس ڈرامے میں بہت پُرشکوہ زبان (نشر) کا استعمال کیا گیا ہے تاکہ ناظرین میں اپنی اصلاح کا جذبہ بیدار ہو۔

ایک دوسرے ڈرامے "اندھیر نگری" میں وہ پھر اسی موضوع کو اختیار کرتے ہیں۔ اس ڈرامے میں ملک کی بدحالی پر تبصرے کیے گئے ہیں۔ ہریش چندر کا "نیل دیوی" بھی حب الوطنی کے اسی جذبے کا عکاس ہے اپنے اس اولیں تاریخی ڈرامے میں انہوں نے ہندوستانی عورت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے اس ڈرامے کا پیش لفظ اپنے واشگاف انداز بیان کی وجہ سے یہ حد اہم ہے اس اس میں ہریش چندر لکھتے ہیں : "کرسمس کے اس موقع پر، جو عیسائیوں کے تینیں سال کے کسی بھی دوسرے دن کی بہ نسبت زیادہ اہم ہے میں بے حد مغموم ہوں اور یہ غم اس متصاد صورت حال کے بطن سے ابھر ہے جو ہندوستانی عورت اور انگریز عورت میں پائی جاتی ہے۔ انگریز خواتین اپنے مردوں کے ساتھ بے باکانہ اور خوشندهی کے ساتھ مل جل سکتی ہیں۔ بلاشبہ میرا مقصد یہ نہیں کہ ہندوستانی عورت کو اپنا شریفانہ اندازِ حیات اور انسانیت ترک کر دینی چاہیے البتہ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ وہ زیادہ چاق و چوبند اور باشور ہوں تاکہ اپنا گھر بار چلانے کی بہترین صلاحیت ان میں پیدا ہو سکے اپنے بچوں کو تعلیم دے سکیں اور سمجھ سکیں کہ ہندوستانی سماج اور ملک کی بہبودی کس طرح ممکن ہے۔۔۔ ہندوستانی عورت کو اپنے گھر یا مسائل

کے خول سے ابھرنا چاہئے اور ایک مثبت کردار ادا کرنا چاہئے اس سلسلے میں سب سے ابھم اقدام یہ ہے کہ فرسودہ رسومات کو ترک کیا جائے۔ قرونِ اولیٰ میں، آریاؤں کی ہندوستان میں آمد تک عورتوں کی حالت اتنی بدتر نہیں تھی جتنی آج ہے۔ واقعتاً عورتیں اس وقت زیادہ آزاد تھیں اور میں نے یہ ڈرامہ اس لیے قلم بند کیا ہے کہ اس ظلمت کا پردہ چاک ہو سکے جو ماضی قریب میں عورتوں کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے۔ میں اسے انھیں کی نذر کرتا ہوں۔۔۔ ان سے میری صرف اتنی التجاہ ہے کہ وہ اسے ملاحظہ فرمائیں اور ہندوستانی عورتوں کے ان دلیرانہ اور ناقابل فراموش کارناموں پر غور کر کے ان کی مثال پر عمل کرتے ہوئے ترقی کے زینے پر گاہزن ہوں ایک عزم مصمم کے ساتھ۔۔۔

وو شیہ و شم آشاد ہام، میں دیسی ریاستوں کی بد نظمی کو بدق ملامت بنایا گیا ہے۔ اس ڈرانے کا پس منظر ریاست بڑودہ کے حکمران کی معزولی ہے۔ بہرا غبار یہ ایک طنز یہ ڈرامہ ہے۔

”وید کی ہنسا“ ہنسانہ بھوتی، میں وہ گوشت خوری کے حامیوں کا مضن کے اڑاتے ہیں (ایک بھگت کی جیثیت سے وہ گاؤ کشی کے خلاف ہم چلاتے ہیں۔) شراب نوشی اور ہندوؤں کے مسلمان داشتتا میں رکھنے کی روشن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

وہ ان ترقی پسندوں کے بھی مخالف میں جوان گریزی زبان سے محض بالا نئی سطح کی واقفیت حاصل کر کے عظیم مصلح بننے کی نائش کرتے ہیں۔ ناقدین کا خیال ہے کہ اس طرز و تعریضات کا نشانہ ملامت وہ معروف حمالین اور اختلافات رکھنے والے اہل قلم ہیں جن کے سر برہ راجہ شیو پر سادستارہ ہند تھے۔

دس

انگریزوں کے ایک انتہائی وفادار گھرانے سے تعلق رکھنے کی بنار پریش چندر قدامت پسند تھے۔ ملکہ وکٹوریہ ہندوستان کی مطلق العنان حکمران تھی اور پریش چندر کا خیال تھا کہ ہر ہندوستانی کی مکمل ترین وفاداریاں اس سے اور شاہی خاندان سے متعلق ہونی چاہئیں۔ گیارہ سال کی عمر میں انہوں نے ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس البرٹ کی شان میں ایک نظم لکھی۔ ملکہ کی شاید ہی کوئی سالگرہ ہو جس پر انہوں نے اپنے جاری کردہ اسکول میں تقریب مسرت نہ منعقد کی ہواں موقع پر حچ پا گاں کرنا اور خوشی منانے کے دوسرے طریقے اختیار کیے جاتے تھے۔ جب ۱۸۶۹ء میں پرنس آف ولیز ہندوستان آئے تو ہریش چندر کو انہیں بنارس اور اس کے نواحی کی سیر کرنے پر مأمور کیا گیا۔ انہوں نے یہ خدمت انجام دی مزید برآں انہوں نے بنارس کے سرکردہ برہمنوں اور پنڈتوں کو شہزادے کی شان میں نظمیں لکھنے کی دعوت دی۔ بعد ازاں یہ منظومات مطبوعہ شکل میں ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آف ولیز کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

ہریش چندر برطانیہ کے منظور نظر تھے انہیں میونسپل کمشنر اور آئری بھجسٹریٹ کے منصب پر فائز کیا گیا۔ منصف کا عہدہ انہیں بالکل اپنی نوجوانی کے زمانے میں تفویض کیا گیا تھا اور وہ بنارس کے آئری بھجسٹریٹوں میں سب سے کم سن تھے ان پر دوسرے

اعزازات کی بھی بارش کی گئی حکومت کی جانب سے ان کے رسائل کی کاپیوں کی خریداری بھی ایسی ہی مہربانیوں میں سے ایک تھی۔

دوسرے قلم کاروں کے برعکس ہریش چندر نے لندن کے سینٹ جیمز پلیس سے مستحکم رابطہ استوار کرنے کی کوشش کی۔ ۱۸۷۶ء میں گریٹ ایپارٹمنٹ کے موقع پرانخوں نے کچھ نوادرات اور کم یا ب اشیاء روانہ کیں اور ب نفسِ نفس پرس آف ولیز کے دستخط شدہ خط میں ان کے اس تعاون کا شکریہ ادا کیا گیا۔ ہریش چندر نے نہ صرف لندن میں ملکہ اور شاہی خاندان کے افراد بلکہ دوسرے ممالک کے سربراہوں مثلًاً زارِ روس اور قیصر جمنی وغیرہ سے بھی ملاقات کی انخوں نے ان کی خدمت میں اپنی ہندی تصانیف پیش کیں اور اس طرح غالباً وہ ہندی کے پہلے قلم کار تھے جنخوں نے ہندی کو بیرون ملک تک پہنچایا۔ یہ کتابیں نہ صرف گارساں دناسی جیسے مستشرقین جن سے ان کے قریبی تعلقات تھے، بلکہ کئی دیگر سربراہان مملکت تک پہنچیں۔ سینٹ پیٹر سبرگ سے موصولہ ایک روپی سینیٹر کا مکتوب شہادت دیتا ہے کہ گذشتہ صدمی کی آٹھویں دہائی میں ہریش چندر کو روپی مستشرقین بھی ماہر فن گردانتے تھے اور ان سے مشورے کرتے تھے دبرلن اور پیٹر سبرگ سے ان کی تصانیف کے سٹ کی رسیدیں برطانوی دفتر خارجہ کے توسط سے موصول ہوئیں جس نے کلکتہ میں ہندوستانی گورنر جنرل کو بھیجیں اور وہاں سے یو۔ پی کے گورنر کو روانہ کی گئیں۔)

ہریش چندر میں اس امر کی غیر معمولی استعداد تھی کہ وہ شاہی خاندان کے تقریب آنے کا موقع بروقت تلاش کر لیتے تھے چنانچہ جب یہ بات عام ہوئی کہ ایک شہزادہ ہندوستان آ رہا ہے یا ہندوستان آ چکا ہے تو ہریش چندر نے فی الفور مدرجیہ نظمیں لکھنی شروع کر دیں۔ ملکہ ایک قاتل کی گولی سے محفوظ رہیں تو انخوں نے

فوراً ایک تہذیت نامہ لکھا انگریزی (یا ہندوستانی) افواج کو افغانستان، برما یا مصر میں کہیں فتح نصیب ہوتی تو وہ فوراً مبارکبادیاں لکھتے تھے۔ برطانوی شاہی افراد کی بنا س آمد پر وہ ان سے ذاتی رابطہ استوار کر لیتے تھے ان سے فائدہ اٹھاتے تھے اور ان پر اپنے گھرے اثرات مراسم کرتے تھے اس طرح وہ انگریز شاہی گھرانے کے اور بھی قریب آگئے۔ یہ قربت ان کے معاصرین مثلاً راجہ شیو پر سادستارہ ہند اور اس گروہ کے دوسرے اراکین میں حصار پیدا کرتی تھی۔ وہ (راجہ شیو پر ساد اور ان کے اجباب) انھیں بدنام کرنے، ان کی سرگرمیوں کو غلط انداز میں پیش کرنے اور ان کی تحریروں کے تاریک پہلو اجاگر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ بنارس میں غیر ملکی مہمانوں کی آمد سے فائدہ اٹھا کر ہندوستانی عوام کی تکالیف اور ان پالایوں کی وضاحت کر کے، جس کے ہندوستانی شکار ہو رہے تھے، بھارتیند و نے اپنے مخالفوں کے رشک و حسد میں مزید اضافہ کیا اور ان کی اس خلش کو ہریش چندر نے جن کی زندگی مشہور تھی، ہر طرح اشتغال دیا۔ وہ اپنے موروثی مکان کے کمرہ رہائش کے دریچے میں ایستادہ ہو جاتے اور ان لوگوں پر جو نیچے کی تنگ گلی سے گزرتے، طرز یہ فقرے چپا کرتے۔ ان میں سے چند فقرے خاصے دلچسپ ہوتے اور بقیہ ان لوگوں اور ان اداروں پر تنقید کے حامل ہوتے جن سے وہ لوگ متعلق تھے۔ اپنی دولت اور سماجی یتیہت کی بنا پر ہریش چندر یہ تلمخ لہجہ اختیار کر سکتے تھے۔ وہ اپنے مخالفین کی تنقیدوں کا جواب بھی اپنے رسائل میں مضامین شایع کر کے رہے سکتے تھے۔ ان میں سے بعض کا مقصد لوگوں کو اپنی پستی سے ابھارنے کا بھی تھا انہوں نے ہندوستانیوں میں غیر ملکی سیاحت کا شوق پیدا کرنے کی بھی کوشش کی تاکہ وہ اپنے صنعتی دور کی تکمیل سے واقف ہو کر ملک میں صنعت کاری کو فروع دے سکیں۔ انہوں نے ہندوستان کی دولت کے مسلسل اخراج کی طرف بھی اشارے کیے۔ یہ دیکھ کر داعی

تعجب ہوتا ہے کہ ۱۸۷۰ء کے آس پاس وہ عین ملکی اشیاء کے استعمال کے بائیکاٹ کا مشورہ دے رہے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ملک میں سودیشی تحریک کے آغاز سے تقریباً تمیز سال پہلے ہریش چندر لوگوں سے حلف نامے لے رہے تھے کہ وہ صرف سودیشی چیزیں استعمال کریں اور یہ بھی کم اہم بات نہیں ہے کہ ہریش چندر چندریکا، میں ایسے مضمایں شایع کیے جاتے تھے جو ان سائنسی نظریات اور مشینوں کی آگئی فراہم کرتے تھے جو صنعتی ترقیوں کے لیے لازمی ہیں اور واضح کرتے تھے کہ ہندوستان ترقی کی شاہراہ پر کتنا پچھپے رہ گیا ہے اور اس کے عوام کو اپنی اصلاح کر کے قوم کو خوشحال بنانے پر کس طرح کم لبستہ ہونے کی ضرورت ہے جو کچھ انہوں نے سو برس پہلے لکھا تھا آج بھی صادق آتا ہے۔

ہریش چندر اہل برطانیہ کے اس روئیے پر بھی اعتراض کرتے تھے کہ وہ ہندوستان آکر یہاں کے وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مالا مال ہو کر واپس چلے جاتے ہیں انہوں نے یہاں تک کہا کہ تمام ہندوستانی متعدد ہو کر عوام النّاس کے مفادات کی حفاظت کریں۔

یہ تمام باتیں پھلی سطح پر یقیناً انگریزوں کو خوش کرنے والی نہ تھیں وہ ان سے کبیدہ خاطر ہو گئے اور ہریش چندر کے رسائل پر سے سرپرستی کا ہاتھ اٹھایا گیا ہریش چندر نے اپنے قارئین پر بھروسہ کیا اور ان سے معاونت کی اپیل کی۔ ہریش چندر نے انگریز افسران کے روئیے سے پیزار ہو کر میونپل کمشنر اور آنر سریری میجسٹریٹ کے عہدوں سے استغفاری دے دیا۔ اس وقت ان کی عمر مخصوص چھیز ۲۵ برس کی تھی۔

تاج برطانیہ سے ذاتی وفاداری بہر صورت ان کے عقیدے کا جزو بی رہی۔ ہریش چندر کو تاج شاہی سے عدم وفاداری سے زیادہ کوئی دوسرا الزام تکلیف

نہیں پہنچا تھا حتیٰ کہ بالکل آخر میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس الزام سے بریت کے لیے تصدیق نامے تک حاصل کرتے ہیں۔ ۱۸۱۶ء میں یہ وفاداری قوم پرستی کا نافتابل شکست حصہ تھی۔

عوام میں راجح کی جانے والی ہندی کے سلسلے میں ہریش چندر اور ان کے مدارخون بیز راجہ شیو پر سادستارہ ہند (جنہیں انگریزوں کا زیادہ وفادار سمجھا جاتا تھا) کے مابین اختلافات نے کشیدگی کی صورت اختیار کر لی۔ راجہ، جنہوں نے کئی جنیتیوں سے انگریزوں کی خدمات انجام دی تھیں اور اب محکمہ تعلیمات میں ایک اہم جنیت حاصل کر چکے تھے، نے کئی پر امر میں ہندی میں لکھیں (جود راصل دیوناگری رسم الخط میں اردو تھی) ان کی ہندی سے اختلاف نے طول پکڑا۔ ہریش چندر نے کوئی وچن سدھا، اور ہریش چندر بیکا، میں جو مضمایں لکھے ان میں سے کچھ میں انھیں خطاب یافتگان کا عمومی مضمکہ اڑایا گیا تھا ان تحریروں کو جلد ہی راجہ اور ان کے مقعدیں کے خلاف تنقید تصور کر لیا گیا۔ ایسے موقع بھی آئے جب ان مضمایں کے اقتباسات کو منسخ کر کے انگریزا فسران تک پہنچایا اور کہا گیا کہ ہندوستان کے گورنر جنرل اور یو۔ پی کے گورنر کی ان میں تو ہمین کی گئی ہے اور برطانوی حکومت حتیٰ کہ شہنشاہیت تک کو مطعون کیا گیا ہے۔ مقامی انگریزا فسران، جو تمام ہندوستانیوں سے سجدہ گزاری کی توقع رکھتے تھے، خاصے برہم ہو گئے اور اپنے معتمد راجہ شیو پر سادستارہ ہند کی حمایت پر اتر آئے اس کے بعد ہی یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ کوئی وچن سدھا، کی معاونت بند کر دی جائے۔ یہ رسالہ جو پہلے بے قاعدگی سے نکلتا تھا اور تجارتی اعتبار سے ناکام تھا اب ایک گھاٹے کا سودا بن کر رہ گیا مصارف ناقابل برداشت تھے اس لیے ہریش چندر نے اسے اپنے ایک دوست کو منتقل کر دیا۔ جب اسی طرح بالا بودھی، کی سر پرستی کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا تو اسے بھی بند کرنا پڑا۔ ہریش چندر کو از حد صدمہ ہوا

وہ پرچوں کو بند کر کے اپنی ناکامی کا اعتراف نہیں کرنا چاہتے تھے لہذا انہوں نے 'کوئی وچن سدھا' کے نئے مدیر سے درخواست کی کہ وہ 'بالا بودھنی'، کو اسی پرچے میں ضم کر لیں۔ یہ مخصوص برائے نام ہی کیا گیا اور 'بالا بودھنی'، کو کسی طرح بھی موت سے نہیں بچایا جاسکا۔ انجام کار، کوئی وچن سدھا، تک راجھ شیو پر ساد کے زیر اثر آگیا اور یہ واقعی ایک ستم ظریفی ہے کہ آخر میں یہ پرچہ خود اپنے بانی بھارتیہ و کی مخالفت کرنے لگا۔

'ہریش چندر چندر یکا، واحد سالہ تھا جو کچھ عرصے تک جاری رہ سکا۔' لیکن ہریش چندر کے ایک دوست نے، جنہوں نے 'موہن چندر یکا، نامی ایک پرچہ نکالا تھا، ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے مشہور رسالے 'ہریش چندر چندر یکا، کو ان کے پرچے میں ضم کر دیں۔ اب یہ نیا رسالہ 'ہریش چندر' اور موہن چندر یکا، بن گیا۔ اگلے چند ہی ماہ میں اسے بنارس سے اودے پر منتقل کر دیا گیا جہاں موہن لال و شنو لاں پانڈے کو ایک ملازمت مل گئی تھی۔ اس کے بعد پھر اسے میتوارہ منتقل کرنا پڑا اور یہاں پہنچ کر یہ پرچہ راجستان کے ریاستان میں دفن ہو گیا۔

اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل ہریش چندر نے 'چندر یکا، کو جو انہیں بہت عزیز تھا دوبارہ جاری کیا اور اس کا نام 'نودیتا چندر یکا' رکھا۔ اس کے چند بی شمارے شایع ہونے تھے کہ ہریش چندر اس دنیا سے اٹھ گئے۔ اور ان کے بعد ایم۔ وی۔ پانڈے نے یہ اغتراض کھڑا کر دیا کہ ہریش چندر کے ورثا را اس پرچے کو اس انداز میں نہیں نکال سکتے۔

گیارہ

ہریش چندر نے کچھ لوگوں کی دکھتی رگوں کو بھی چھیرا، بطور خاص انہیں، جو آنکھوں پر پٹی باندھ کر انگریز افسران کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، خواہ یہ احکام قومی مفاد کے بر عکس ہوں۔ یا ہندی کی ترویج میں سدراہ بنتے ہوں۔ بہر طور بھارتیندو کے سخت ترین تقاضبھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ انہوں نے ہندی ادب کی ترقی کے لیے نئی جہات کی نشاندہی کی۔ وہ ہندی صحافت کے پیشروں تھے اور ان کے دونوں رسالے، کوئی وچنڈا، اور ہریش چندر چندر بیکا، دوسرے رسائل کی اثنا عت کو بڑھاوا دینے میں کامیاب ہوئے اور ان پر چوں کے مدیران وہ فنکار تھے جنہوں نے بھارتیندو کے رسالوں سے لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ ہریش چندر ان کے مشیر و رہنماء تھے۔

ان دونوں رسالوں نے دوسری باتوں کے علاوہ ادب میں ظرافت کی آمیزش کے رجحان کو بھی فروغ دیا۔ اس دور کی صحافت کا امتیازی وصف ہلکے پھلکے انداز میں لکھنا ہے۔ بھارتیندو کی مزاجیہ تحریروں کے بعد دوسرا نمبر کا نپور کے پرتاپ نرائن مصروف کی تخلیقات کا ہے جنہوں نے مزاج پیدا کرنے کے لیے اکثر اپنے وطن ضلع ایساو کی مقامی بولی کے الفاظ اور لمحے کا استعمال کیا ہے۔ بال کرشن بھٹ کی تحریریں بھی اپنے لطیف انداز اور ہلکے پھلکے بر تاؤ کی وجہ سے پڑھنے والوں کی دلچسپی کا سبب بنتی ہیں۔

یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ بھارتیندو کے رسائل کی ماندر ان کی ڈرامہ نگاری کی تقلید بھی ان فنکاروں کی جماعت نے کی جوان کے رسالوں اور ان کی ادبی تحریروں

سے گہرا شغف رکھتے تھے مثال کے طور پر پرتاپ نزاں مصر نے کئی ڈرامے تخلیق کیے جن میں 'بھارت دُردشا، دکالی کوتک روپک' اور 'ہمیٹی ہمیر' شامل ہیں۔ پہلی بار بھارتیند نے 'بال دواہ'، 'دکالی راج کی سبھا'، اور 'ریل کا بکٹ کھیل'، نیز پہلی باری نزاں چودھری 'پریم گن'، نے 'بھارت سو بھاگیہ'، 'پریاگ رام آگمن'، وارنگنا رہسیہ ناٹک، جیسے ڈرامے لکھے۔ لالہ سری نواس داس نے بھی متعدد ڈرامے قلم بند کیے جن میں 'پرہلا دچتر'، سنجو گتا سوہمیر، 'پیتا سماون'، وغیرہ شامل ہیں۔ بھارتیند کے رشتے کے بھائی بایورادھا کرنیاس نے بھی اس ضمن میں بڑی دلچسپی کا منظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف بھارتیند کی نامکمل چھوڑی ہوئی، کچھ تحریروں کو مکمل کیا بلکہ خود بھی چند ڈرامے لکھے جیسے 'دکھنی بالا'، اور 'ہمارا ناپرتاپ'،

یہ بھی ابھی بات ہے کہ ڈراموں سے ہٹ کر بھارتیند سے متاثر ادیبوں نے ادبی تنقید لکھنے کا بھی آغاز کیا جن میں انفرادی فنکاروں پر تنقید کے علاوہ ادبی تخلیق و میں متعلق نظریاتی مباحث بھی شامل ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے ہی دیکھ پکے ہیں بھارتیند نے مختلف بحروں میں شاعری کی اور بھگتی تحریک کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کی روایت کا آغاز کیا۔ وہ بڑے پیمانے پر ہندی میں اس نشانہ ثانیہ کے روایت روایا ہیں جس کی مثال بنگالی کی ادبی تحریک میں پہلے نظر آئی تھی۔ کوئی بھی نئی چیز ان کی نظر سے پوشیدہ نہ رہتی تھی۔ درحقیقت انہوں نے ہندوستان کے باہر بہت دور تک اور مستقبل میں بھی جھاںک کر دیکھا جب فرانس اور جرمنی میں جنگ چھڑی تو انہوں نے اس موضوع پر کتابوں کے سووے طلب کیے اور ان کے لیے فراغدی کے ساتھ معاوضہ پیش کیا۔

ایک پُر خلاوص مصلح کی جیشیت سے انہوں نے بحری سفر، بیواؤں کے نکاح ثانی اور تعلیم نسوں کی موافقت میں قلم اٹھایا وہ کلکتہ، بمبئی اور مدراس کی یونیورسٹی سے

امتحانات میں کامیاب ہونے والی لڑکیوں کو ساریاں نذر کرتے تھے۔ انہوں نے متعدد شادیاں کرنے کی روش اور بچپن کی شادی کے رواج کی مذمت کی۔

جنگنا تھا پوری کے راستے میں برداں تک سفر کے دوران انہیں پہلی بار ریل کے سفر کا موقع نصیب ہوا، جیسے ہی وہ بالغ ہوئے انہوں نے بہت سی سیاحتوں کیں اور مشرقی ہندوستان، شمالی ہند اور جنوبی ہند تک گھوم آئے اس طرح ان کا ذہنی فق و سیع ہوا۔ ان کی ہندوستان گیر و سیع النظری کا ثبوت یہی ہے کہ اپنے رسائل کے صفات پر انہوں نے نہ صرف خاندیش یا گجرات کے سیلا ب زدگان کی امداد کے لیے اپنے شایع کیں بلکہ خود بھی بنارس میں اس کے لیے گھومتے پھرے۔ ہریش چندر کی ان سیاحتوں کے نتیجے میں ہندی کے پہلے سفر نامے وجود میں آئے۔ راجستان میں ان کا سفر اور پور جوان کی آخری علاالت کا پیش خیمه ثابت ہوا، ان کے اشتیاق سفری کا نتیجہ تھا۔

مشہور ماہر نوادرات راجندر لال مترنے ایک معروف تعلیمی ادارے میں، جو شہزادگان اور دولت منڈ زمینداروں کے بچوں کے لیے قائم کیا گیا تھا، ملازمت قبول کر لی تھی اور وہ ہریش چندر کی قیامگاہ کے نزدیک ہی سکونت پذیر تھے۔ اس طرح دونوں ویشنو مت کے ماننے والے ایک دوسرے کے قریب آئے۔ ہریش چندر نوادرات کے فن میں دلچسپی لینے لگے اور اس طرح ہندی میں اولیں سنجیدہ تاریخی تحریروں کا بیش قیمت اضافہ ہوا ایک محقق کی مانند انہوں نے بنارس کے گرد و نواح کا جائزہ لے کر وہاں کے قدیم مندوں اور متعدد تانبے کے پتروں کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ وہ جب بھی کلکٹہ جاتے، ایشیا کے سوائیں میں ضرور حاضری دیتے۔ انہوں نے اس سوسائٹی کو متعدد مخطوطات بھی مستعاً دے تھے۔

ہندوستانی تاریخ کے مختلف ادوار پر ہریش چندر کی تحریریں بھی ہندی میں اپنی نوع کی نئی چیزیں ہیں۔ تاریخ پرمضانیں قلم بند کرنے کے دوران انہوں نے تقریباً تمام دستیاب مواد کا مطالعہ کیا جس کے نتیجے میں ان کی تحریروں میں انگریزی اور فرانسیسی کے بہت سے مستند مورخوں کے برعکس اور معتبر حوالے ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں جن پہلوؤں میں انہوں نے کامیاب کوششیں کیں ان میں کثیر جیسی ریاستوں کی تاریخ بھی شامل ہے (جس میں بلاشبہ کالہنا کی دراج ترکی، سے استفادہ کیا گیا ہے) اور راجستھان میں واقع روست ریاستی حکمرانوں کے خاندانی حالات پر بھی انہوں نے خامہ فرسانی کی۔ اس موضوع پر معلومات فراہم کرنے کے لیے انہوں نے طاڑ کی دراجستھان کی سالانہ رپورٹیں، چھان ڈالیں بہت سی ہندوستانی ریاستوں کے مہاراجاؤں نے ہریش چندر کو اعزازات سے نوازا۔ ہندی ادیبوں کے بڑے قدردار، مہاراول آف اودے پور نے انہیں اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی (ہندی تقاضوں کا کہنا ہے کہ مہاراول ہریش چندر کی بحیثیت شاعر و ادیب غیر معمولی صلاحیتوں سے اتنے خوش ہونے کے انہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ حب سے ہریش چندر ان کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں اس وقت سے وہ اپنے آپ کو سلطنت کا ایک حصہ دار سمجھ کریں۔

بھگت ہونے کے باوجود ہریش چندر روش خیال آدمی تھے موجودہ معیارات کے مطابق ان کا روایہ و سیع المشربی کا تھا وہ نہ صرف تمام مذاہب کی ہم آہنگ کو تسلیم کرتے تھے بلکہ مختلف طبقوں میں قربت پیدا کرنے کے لیے کوشش بھی رہتے تھے۔ ایک جین مندر میں حاضری دینے پر لوگ متعرض ہوئے تو انہوں نے اپنے اس عمل کے دفاع میں بہت جوش کے ساتھ قلم اٹھایا اور کہا کہ جین مت کا مضکمہ ہرگز نہیں اڑایا جانا چاہیے۔ ۱۸۷۶ء میں انہوں نے ایک عظیم مباحثے میں حصہ لیا جو سوامی

دیانند سرسوتی کے خلاف تھا یہ زمانہ تھا کہ آریہ سماج کے بانی نے بناس کے کچھ دلوقت مذہبی اشخاص کا ناطقہ بند کر رکھا تھا بعد ازاں انہوں نے دیانند کو اپنے رسالے کے چندہ دہندگان (اسسٹنٹ ایڈیٹریوں) کی فہرست میں شامل کر لیا۔ ان کی آخری عمر کی تحریروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تمام ہندوستانیوں کو، جن میں ہندو مسلم سکھ عیسائی سبھی شامل ہیں، یہ تلقین کرتے ہیں کہ ان سب کو اپنے آپ کو پہلے ہندوستانی سمجھنا چاہیے اور شانہ بہ شانہ مل کر ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ایک قدامت پرست دور میں مستقبل کی طرف دیکھنے والے انسان تھے۔

ہمیں ان کی رہنمائی کرنے والی کاؤشوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ کھڑی بولی کو نشر میں استعمال کیا جائے لگا تھا لیکن شاعری میں اس کے لیے جگہ نہ تھی۔ ان کے اُفقتِ ادب پر نمودار ہونے تک بلکہ ان کے دورانِ حیات بھی، شاعری کا بازمتر نام برج بھاشنا کے شانوں پر ہی رہا جس میں بطور خاص بھگلتی ادب کا جزوِ غالب لکھا گیا ہے۔

بھارتیندو نے خود بھی بھاشنا میں لکھا لیکن انہوں نے محسوس کر لیا کہ مستقبل میں کھڑی بولی کی ضرورت ہو گی یہ ان کی دوربینی کا ہی تقاضہ تھا کہ ہم انہیں شاعری میں کھڑی بولی کا استعمال کرتے ہوئے بھی پاتے ہیں۔ کلکتہ کے 'بھارت متر'، کو اپنی کھڑی بولی کی کوئی تائیں بھیختے ہوئے وہ رقم طازہ ہیں۔

"از راہِ کرم انھیں غور سے پڑھیے اور مجھے ان کی خامیوں سے مطلع کیجیے
اور مجھے اپنے مشوروں سے بھی نوازیے کہ کھڑی بولی میں شاعری کو
کس طرح مزید خوبصورتی عطا کی جا سکتی ہے میں نے جن تین بحروں میں
کاؤش کی ہے وہ بطور تجربہ ہیں محض یہ طے کرنے کے لیے کہ اس زبان
کے مزانج کو سب سے زیادہ کون سی بحریں راس آئیں گی میں نہیں کہہ سکتا
کہ ان تخلیقات کے نتائج سے مطمئن ہوں اور چند وجوہ کی بناء پر جن کی

میں نشاندہی نہیں کر سکتا، مجھے ان کھڑی بولی کی نظموں پر اس سے دگنی محنت صرف کرنی پڑی جتنا کہ برج بھاشا میں لکھتے ہوئے درکار ہوتی ہے سب سے بڑی دشواری بہر کیف یہ پیش آئی کہ کھڑی بولی میں لمبے مصوتوں کا استعمال زیادہ ہے۔ بعض مقامات پر مجھے طویل مصوتوں کی جگہ مختصر مصوتے استعمال کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اگر آپ مجھے اپنے اور اپنے قارئین کے تاثرات سے مطلع فرمائیں گے تو میں اس قسم کی مزید تخلیقات پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔“

کھڑی بولی میں شاعری کرنے کے علاوہ ہندی ادب کی ایک اور صفت نے بھی ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔ یہ ہندی ناول تھا۔ اپنے ایک مذاح کو مکتوب میں ہریش چندر تحریر کرتے ہیں:

”ہندی میں کچھ ڈرامے لکھے گئے ہیں لیکن اب تک ہندی میں ناول نایا ہے بلاشبہ یہ ایک عظیم خدمت ہوگی اگر آپ یا آپ کے پرچے کے کوئی نام مدیر مثلًا رادھا چرن گوسوامی یا بابو کاشی ناٹھ ہندی میں کچھ ناول لکھ ڈالیں اگر آپ میرے خیال سے متفق ہوں تو دیپ نرائن کا ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ تخلیق ناول کے علاوہ بھی کچھ ہے بالآخر اس کا تعلق اس ملک کی خوشحالی سے ہے۔“

ہریش چندر نے اپنی بنگالی ز دوسری (بیوی) مالیکا کو بنگالی سے ناول ترجمہ کرنے کے لیے کہا۔ ان کے ترجمہ کردہ ناولوں میں سے تین 'رادھارانی'، 'سووندھیہ میں'، اور 'چندر پر بھاپورن پر کاش'، تھے۔ 'رادھارانی' کا انتساب بجا طور پر اپنے محسن ہریش چندر کے نام ہے۔ مالیکا نے انتساب کی تحریر میں کہا ہے:

”ہندب سماج کی روایات کے مطابق میں اس لائق نہیں کہ متعارف

کرائی جاؤں اور اس ترجمہ میں کوئی ایسی اہم بات بھی نہیں جس کی بناء پر میں معروف ہونے کی خواہش کروں یا اپنے پڑھنے والوں کے سامنے آؤں... اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ ایک عظیم اور فرشتہ صفت شخصیت کے نام معنوں ہے، یعنی میرے سوامی جن کی ہدایت کے مطابق میں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں اس کو ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ میری اس کاوش پرمیرے سوامی کی تشفی ہی میرا انعام ہے:-

مالیکا کے سوامی نے ان ترجموں پر نظر ثانی کی اور یہ ناول ثیں یعنی کیے۔

ہریش چندر نے بذاتِ خود بکم چندر چھڑجی کے ناول، راج سنہا، کا ترجمہ شروع کیا (بدنصیبی سے یہ نامکمل رہ گیا اور ان کی وفات کے بعد ان کے چھازاد بھائی رادھا کرشن داس نے اس کی تکمیل کی) یہ بھی ہریش چندر کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ رادھا کرشن داس نے سورن لتا، کا ترجمہ کیا اور پنڈت رام شنکر دیاس نے 'مدھر مالتی' کو ہندی روپ دینے کا بیڑا اٹھایا۔ یعنیہ گنگا دھر سنگھ نے 'درگیش نندنی' اور 'کادمیری' کو ہندی میں منتقل کیا۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش کم ہے کہ اگر ہریش چندر کچھ برس اور زندہ رہتے تو ہندی ادب کی اس صرف کو مزید مالا مال کرتے۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔

پارہ

ہریش چندر کی فضول خرچیوں نے انھیں پر بینا نیوں میں بنتلا کیا اور شمع کو دلوں سروں سے روشن کرنے کے خمیازے میں ان کی صحت تباہ ہو گئی۔ باس ہمہ انھوں نے نوشہ دیوار کو پڑھنے سے انکار کیا اور اپنی رنگیں مزاجیوں سے باز نہیں آئے نہ ہی پر آشوب سیاحتوں سے گریز کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے بکثرت سفر کیے اور اپنی خرابی صحت کے باوجود اودے پور کے لمبے سفر پر روانہ ہو گئے جہاں سے وہ اپنے قدیم رفیق، موہن لال وی پاندے کو ملنے کے لیے ان کی قیامگاہ واقع متوڑا جا پہنچے۔ اس سفر کے دوران ان کی صحت قطعی جواب دے گئی۔ ان پر ہیضے، بخار اور تنفس کے امراض حملہ آور ہوئے جن سے وہ بدقت تام جانبر ہو سکے۔ بنارس والی پر وہ چند ایسے نامکمل کام، جوان کی نگاہ میں اہم تھے؛ تکمیل تک پہنچانا چاہتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی فن ڈرامہ نویسی پر اپنی تصنیف مکمل کی اور ایک برطانوی کمیٹی کی درخواست پر انگلینڈ کے قومی ترانے کو ہندی میں نظم کیا۔ انھوں نے کچھ اور ڈرامے اور ہندوی مضامین بھی تحریر کیے اور اپنی دوسری دلچسپیوں کو بھی برقرار رکھا۔ بہ اعتبار صحت بے حد کمزور ہونے کے باوجود انھوں نے بلیا کا سفر کیا، جہاں ان کے ڈرامے، ستیہ ہریش چندر، اور نیل دیوی، پیش کیے جانے والے تھے۔ عوامی سطح پر انھیں اعزاز

دیا گیا اور انھیں شکسپیر کا مقابل گردانا گیا۔ یہ سفر خلافِ عقل تھا۔ والپی کے چند ہفتے بعد ہی وہ بستر پر دراز ہو گئے انھوں نے ضرورت سے زیادہ بداحقیا طیا کیں۔ ماہر معاجمین انھیں لکھنے سے باز نہ رکھ سکے۔ انھوں نے سخت محنّت کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی طاقت زائل ہوتی گئی اور وہ تیزی سے لا غر ہوتے گئے بالآخر انعام سر پر آگیا اور ۵ فروری ۱۸۸۵ء کو جدید ہندی دنیا تلسی داس کے بعد، اپنے سب سے بڑے مصنف سے محروم ہو گئی۔ وہ ایک قوی اور با عمل ہاتھ سے محروم ہو گئی جس نے ہندی ادب کو نئی جہتوں سے روشناس کیا تھا خواہ وہ شاعری ڈرامہ، صحافت اور مضمون نگاری ہو یا تاریخ نویسی۔ انھوں نے ہندی کو دیگر ہندوستانی زبانوں کے قریب لانے کی بھی کوشش کی تھی۔

بہر حال انھیں چند باتوں کا افسوس بھی تھا بیان کیا جاتا ہے انھوں نے اپنے قریبی دوستوں سے کہا کہ اگر انھیں دوبارہ اتنی ہی موروثی جائداد کے ساتھ موقع ملتا تو وہ حسب ذیل کام کرتے۔ (۱) ایک ہندی یونیورسٹی قائم کرتے جس کا ذریعہ تعلیم ہندی ہوتا ہے، مناسب احترام کے ساتھ خاندانی مکان کے بائیچے میں ٹھاکر جی کی ایک مورثی نصب کرتے (۲)، شمال مغربی صوبے میں ایک آرٹ کالج قائم کرتے (۳)، امریکہ، فرانس اور برطانیہ کی سیاحت پر جاتے۔

افسوس کہ ان کے ارمان پورے نہ ہوئے۔ بہر کیف انھوں نے ہندی صحافت، ڈرامہ، ناول، انشائیہ اور کھڑی بولی میں شاعری کے فروع کا راستہ صاف کیا اور صحیح معنوں میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد تیار کی جو ہندی کے پیغام کو آگے بڑھا سکیں بالکرشن داس، سنتو کھنگھ، بالکرشن بھٹ، بدرا ہری نرائن چودھری، پریم گن، اور رادھا چرن گوسوامی دیغیرہ ایسے ہی لوگوں میں تھے جنھوں نے اس مہم کو جاری رکھا جس نے آنے والی چند دہائیوں میں ہی کھڑی بولی کو نشر، شعر اور صحافت کا وسیلہ اظہار تسیلم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

منتخب کتابیات

بھارتیندو گرنتھاولی، جلد ۱ (ڈرامہ)

〃 جلد ۲ (شاعری)

〃 جلد ۳ (نشر)

(یہ تینوں جلدیں ناگری پرچار نی سبھا بنارس کی شایع کردہ ہیں اور ان میں بھارتیندو کی ان تحریروں کا بیشتر حصہ بیکھرا کیا گیا ہے جو اس سے قبل 'ہریش چندر کلا' کے نام سے باپورام دین سنگھ نے مرتب کر کے اپنے کھڑک بلاس پریں، باانجی پور، پٹنہ سے بھارتیندو کے انتقال کے کچھ ہی عرصہ بعد شایع کیا تھا۔ ہریش چندر کلا کی تیاری میں 'کوئی وچن سدھا، 'ہریش چندر چندر یکا، ' بالا بودھنی، اور بنارس میدھیکل ہال پریں، بنارس لائٹ نیتالیہ، بنارس پر نٹنگ پریں، چندر پر بھا پریں اور ماں کا چندر رائینڈ پیسی، وغیرہ کی مطبوعات سے بیش از بیش استفادہ کیا گیا ہے)

۱۔ سرسوتی، ۱۹۰۶ء بھارتیندو کا سوا نجی خاک از رادھا کرشن داس اور جیاں
ہریش چندر از باؤشیوندن سہائے۔

۲۔ بھارتیندو ہریش چندر از برج رتن داس

۳۔ " " " رام بلاس شرما

۴۔ " " " آر۔ چوہان

- ۶۔ بھارتیں دوہریش چندر از ایل۔ ایس۔ وارشنے
- ۷۔ " " " آر۔ بھٹناگر
- ۸۔ بھارتیں دوکاناتیہ ساہتیہ از وی۔ شکلا
- ۹۔ بھارتیں دوکلا از شیودھرا اور دوسرا
- ۱۰۔ بھارتیں دو اور سہیوگی کوی از کشوری لال گپتا
- ۱۱۔ بھارتیں دو کی ناطیہ کلا از پی۔ شرما
- ۱۲۔ بھارتیں دو یگ از رام بلاس شرما

۱۸۸۵ء۔ ۱۸۸۵ء) بھارتیں وہ لیش چندر کو جدید ہندی کا باپ کہا جاتا ہے اور تلسی داس کے بعد ہندی کے فنکاروں میں سب سے عظیم سمجھا جاتا ہے۔ گریس نے انھیں عصر حاضر کے ہندوستانی شعراء میں سب سے ممتاز قرار دیا کہ انھوں نے (عوامی زبانوں کے ادب کو مقبول بنانے میں کسی بھی دوسرے زندہ معاصر ہندوستانی کے مقابلے میں زیادہ کام کیا ہے۔

مسلمہ طور پر ہندی کے اولین ڈرامہ نویس مانے جانے والے ہریش چندر نے ابتدائی ہندی صحافت کے فروع میں بھی نہایت ہی اہم کردار ادا کیا۔ وہ ہندی کے اولین نمایاں انشا پرداز، سفرنامہ نگار، سوانحی خاکہ نگار اور تاریخ قدیم و نوادرات پر کتب لکھنے والے مصنف تھے۔ شاعری میں فرمائی اضافہ کرنے کے علاوہ انھوں نے کم و بیش تمام مقبول بحروں میں باتیں ہزار بیکٹی گیت لکھے اور شاید کھڑی بولی میں شاعری کرنے والے اولین فنکار بھی وہی تھے جس نے آگے چل کر برج بھاشاکی جگہ لے لی۔

اپنی مختصر زندگی کے چوتھیس برسوں میں بھارتیں وہ متعدد راہیں دکھائیں۔ بد قسمتی سے انھوں نے اپنی ذاتی زندگی اور بخی معاملات میں بڑا لاماں پن بر تا جس نے ان کی زندگی کو مختصر کر دیا۔

‘منشی پریم چند؛ ایک ادنی سوانح جیات، کے مصنف مدن گوپال نے ہندی مصنفین کو انگریزی بولنے والی دنیا سے متعارف کرانے میں پیش قدمی کی ہے اور بھارتیں وہ لیش چندر کے اس احساس آفریں مطالعے کی پیش کش سے جدید ہندی ادب کی تاریخ میں اہم اضافہ کیا ہے۔

اس کتاب کے اردو ترجمے کا دیباچہ ڈاکٹر مظفر حنفی نے قلم بند کیا ہے جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی شعبۂ اردو نے منسکر ہیں۔